مظہرِ انوار

مرتبہ : سید محی الدین حسینی القادری

15 - ۰۴/۰۲/۱۴۲۳

اِسْمُہٗ یحییٰ

مظہرِ انوار

۱۴۰۳ھ

مختصر تذکرہ حضرت سیدنا و مرشدنا یحییٰ پاشاہ قبلہ قدس سرہ العزیز

— مرتبہٗ —

حضرت مولانا سید محی الدین حسینی القادری مدظلہٗ

— باھتمام —

نواب مولوی محمد فرید الدین خاں صاحب قادری جاگیردار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

پیش لفظ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ آلہ الطیبین
الطاھرین و اصحابہ الاکرمین اجمعین ؕ

للہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

شکر ہے کہ خدا اور اسکے رسول کی محبت کے ساتھ ساتھ پیران کبار کی نسبت بھی طفلی ہی سے حاصل ہے۔ ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے املا نویسی کے سلسلہ میں حضرت دادا پیر قبلہ قدس سرہ العزیز کے حالات قلمبند کروانا شروع کیا تھا۔ اس لئے اس وقت سے حضرت کے حالات جمع کرنے کا دل میں ولولہ پیدا ہوا۔ عادت ہے کہ انسان کے دل میں پہلے ایک خیال پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اسی خیال کی تکمیل کے لئے جن جن امور کی ضرورت ہوتی ہے اس کے وسائل مہیا کئے جاتے ہیں۔ اس طرح طفلی سے یہ ایک خیال جو ذہن نشین کرایا گیا تھا۔ جب ذرا شعور پیدا ہوا تو اس کی

تکمیل کی جانب توجہ کی، واقعات معلوم کرنے مختلف اصحاب سے
ملاقات کی۔ ان سے تفصیلات معلوم کئے۔ پھر اس کو قلمبند کرنا شروع
کیا۔ روایت در روایت میں عموماً الفاظ کے الٹ پھیر سے بات کہاں
سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کمزوری کو پیدا نہ ہونے دینے کے
خیال سے جو روایت جس سے لی گئی قلمبند کردہ عبارت بھی ان کو
ایک مرتبہ سنا دینے کی کوشش کی۔ بعض روایات دو تین اصحاب سے
لی گئی تھیں تو ان سب کو سنایا گیا۔ اس طرح انتہائی کدوکاوش
سے اس گلدستہ کو مرتب کیا جو عرصہ قبل گلدستہ تجلیات کے نام
سے موسوم اور شائع ہو چکا ہے۔ اس کی تکمیل پر اکثر بزرگانِ
سلسلہ نے اظہار مسرت فرما کر قدر افزائی کی۔ اور دیگر محبین نے
مبارکباد دی بمصداق اس کے کہ ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ان ہی کا کام تھا کہ اس خدمت
کے لئے اس ناچیز کا انتخاب فرمایا اور ان کی توجہات ہی کی بدولت
یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا ورنہ من آنم کہ من دانم۔

۱۳۸۶ھ میں حضرت دادا پیر سیدی سید محمد بادشاہ حسینی
قبلہ قدس سرہ العزیز کے عرس شریف کا صد سالہ جشن منایا جارہا
تھا۔ چند افراد پر مشتمل ایک کمیٹی اس کے انتظامات کے سلسلہ میں

مقرر ہوئی اور اس کمیٹی نے حضرت علیہ الرحمہ کے حالات بھی شائع کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کی ترتیب کے لئے بھی اس ناچیز کا انتخاب عمل میں آیا۔ اور یہ ذمہ داری بھی اسی کمزور دوش پر رکھ دی گئی۔ میں نے اس کو بھی اپنے لئے ایک سرفرازی تصور کر کے کام کا آغاز کیا اور بحمدہ تعالیٰ بالکل قلیل مدت میں جہاں تک حالات دستیاب ہوئے جمع کر دیا۔ اور یہ مجموعہ موسوم بہ "حالات شاہ" شائع ہو چکا ہے

یوں تو حضرت پیر و مرشد قبلہ علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد سے بعض احباب اور اہل سلسلہ بے حد مصر تھے کہ حضرت کے حالات بھی جمع کر کے شائع کئے جائیں۔ مگر "حالات شاہ" کی اشاعت کے بعد تو محبین کا اصرار اور بڑھ گیا۔ اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ جس قدر مدت گزرتی جائے گی۔ اسی قدر حالات کو جمع کرنے میں دشواریاں زیادہ ہوں گی۔ کیونکہ حضرت کے فیض یافتہ امتداد زمانہ کی وجہ سے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اب اس وقت بھی جو باقی ہیں۔ غنیمت ہیں ان سے واقعات کو جلد از جلد معلوم کر کے جمع کر لینا مناسب ہے۔ یہ رائے بہت صائب تھی۔ اس لئے امکانی حد تک کوشش کر کے اس کام کا بھی آغاز کر دیا۔ اور اس میں بھی صحت روایت کی پوری پوری کوشش کی گئی۔

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں ایسی مقدس ہستی جس کی

پوری زندگی اِنَّ صلاتی و نسکی و محیایٔ و مماتی اللہ رب العالمین کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ اور جو عشق نبوی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کی زندگی کے خدوخال کو صحیح طریقہ پر پیش نہ کرسکا۔ بہرحال اپنی استطاعت کے موافق کوشش کی ہے کہ بالعموم سب کے لئے اور بالخصوص وابستگان سلسلہ کے لئے آپ نے زندگی کا جو نمونہ پیش فرمایا ہے۔ وہ واضح ہو جائے کہ کس طرح سب کے ساتھ رہ کر بھی سب سے علیحدہ رہ سکتے ہیں۔ اور کس طرح دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی جاسکتی ہے۔ توکل کی راگنی تو ہر طرف سے الاپی جاتی ہے۔ مگر فی الحقیقت توکل کس طرح کیا جاتا ہے۔ اور سپردگی کس کا نام ہے۔ فقیرانہ شان کیسی ہوتی ہے۔ استغنا عن الناس کس کو کہتے ہیں۔ یہ وہ جواہر پارے ہیں۔ جن کا نمونہ آپ کی حیات طیبہ میں ملتا ہے۔

دوسرے انبیاء کرام اور ہمارے آقا سید الکونین ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی میں یہی نمایاں فرق ہے۔ جس بات کی تعلیم حضور انور علیہ التحیۃ والتسلیم نے دی۔ سب سے پہلے اس کا نمونہ خود پیش فرمایا۔ وہ جس کی شان یہ ہے ؎

مالک کیا خدا نے اسے دو جہان کا
ایسا کوئی رسول بھی ہے عز و شان کا
جس کی خاطر کون و مکان کی تخلیق عمل میں آئی لولاک لما

خلقتُ الافلاک۔ جس کی بارگاہ میں پہاڑ عرض کرتے ہیں کہ حکم ہو تو ہم سونے کے ہو جاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں اور فقر و فاقہ کو نہ صرف پسند فرمایا جاتا ہے بلکہ ارشاد ہوتا ہے الفقر فخری۔

تین تین روز تک کچھ تناول نہیں فرماتے۔ شکم اطہر پر پتھر باندھ لیا جاتا ہے۔ معروضہ پر جواب ملتا ہے کہ ابیت عند ربی ھو یطعمنی و یسقینی۔ جس کے حکم کی تعمیل میں زمین سراقہ بن مالک کے گھوڑے کے پیروں کو اندر کھینچ لیتی اور پھر حکم پر چھوڑ دیتی ہے۔ جس کی کنکریوں کے پھینکنے پر محل سرا کا محاصرہ کرنے والے اندھے بنے کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ جس کے اشارے پر چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ جس کے حکم کی تعمیل میں ڈوبا ہوا آفتاب پھر نکل آتا ہے۔ وہ دشمنوں کے ستانے پر ترک وطن بھی فرماتے ہیں اور بارہا اپنی مجبوری و بے بسی کا بھی اظہار فرماتے ہیں۔ بہر حال دنیا کو مشیت کے آگے سر جھکانے ہر قسم کے مصائب برداشت کرتے ہوئے تیور میں بل نہ آنے دیتے۔ اور کسی حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہ کرنے کا عملی درس دیتے ہیں۔ اب ان کے چاہنے والے ان کے متبعین علیکم بسنتی کے حکم کو ہر وقت پیش نظر رکھ کر ان کی محبت میں قدم بڑھائے چلتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ہر مصیبت و تکلیف کا مردانہ وار مقابلہ کرکے تحت

امرانہ زندگی بسر کرتے ہیں ؎

آپ جو چاہو کرو ممنت رہو
بندگی بیچارگی ہم کیا کریں ۔

سنت نبوی کی پیروی، توکل، استغنا عن الناس دنیا میں رہ کر دنیا سے دامن بچانے کا مکمل درس ان کی پاک زندگیوں سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے بزرگان دین کی سیرت کا مطالعہ انسان کو انسان بناتا ہے۔ اور اس کتاب کی اشاعت کا بھی مقصد یہی ہے کہ آج کے انتشار، افرا تفری اور عالمگیر کے ماحول میں ایک نمونہ حیات پیش ہے۔ اور لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق صاف ستھری زندگی گذارنے کی ترغیب ہو۔

آپ کی تعلیمات کے سلسلہ میں واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ خوش نصیبی سے برسوں حضرت رح کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ تعلیم کے سلسلہ میں جو ارشادات ہوتے رہے۔ اس کے مفہوم کو میں نے اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری کوتاہی کے باعث میرے الفاظ حضرت رح کے پورے مفہوم کو ظاہر نہ کر سکے ہوں۔ اگر کہیں ایسی صورت پائی جائے تو مجھے معاف فرمایا جائے۔ میں اپنے مخلصین سے درخواست کروں گا۔ کہ وہ ایسی کوئی صورت پائیں تو مطلع فرمائیں کہ آئندہ دوسرا ایڈیشن صحت کے ساتھ شائع ہو سکے۔

حضرتؒ کی شاعری کے بیان میں میں نے بالکل اختصار سے کام لیا ہے کہ بزرگوں کو شاعری سے کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ وہ صرف اپنے جذبات قلبی کو نظم فرما دیتے ہیں۔ ان کا کلام تنقید سے بالاتر ہوتا ہے۔ بزرگوں کے کلام اور عوامی کلام میں نمایاں فرق اس کا ہوتا ہے کہ یہ ان کے دل کی آواز ہوتی ہے۔ اور یہ خود متاثر ہو کر بیان فرماتے ہیں۔ تو سننے والا کبھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کتاب کے ساتھ ہی حضرتؒ کا منتخب کلام بھی علیحدہ شائع کیا جا رہا ہے۔ جس کو برخوردار سید محمد صدیق حسینی عارف سلمہ نے جمع کیا ہے۔

حضرت قبلہؒ کے حالات کو میں نے ۱۳۸۸ھ میں قلمبند کیا تھا۔ مگر جب سے اب تک اس کی اشاعت کا موقع نہ مل سکا مسودہ بھی اسی حالت میں تھا اور اس پر نظر ثانی کی نوبت کبھی نہ آئی تھی۔ اب اس سال حضرت قبلہؒ کی ولادت کو سو سال پورے ہوتے ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح حضرت سیدی بادشاہ میاں صاحب قبلہؒ کے حالات حضرتؒ کے صد سالہ عرس شریف کے موقع پر ۱۳۸۶ھ میں حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کے حالات "گلدستہ تجلیات" ۱۳۶۳ھ میں حضرت کی صد سالہ سالگرہ کے موقع پر زیور طبع سے آراستہ ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت قبلہؒ کا مختصر تذکرہ بھی حضرت کی صد سالہ سالگرہ

کے موقع پر شائع ہو رہا ہے۔ میں نے اس مختصر تذکرہ کا نام "مظہر انوار" رکھا ہے۔ جس سے اس کا سنہ اشاعت ۱۴۰۳ھ برآمد ہوتا ہے۔ نواب مولوی محمد فرسایہ الدین خاں صاحب قادری، تمام اہل سلسلہ کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کی اشاعت کے تمام اخراجات اپنے ذمے لئے اور یہ کتاب ان ہی کے سرمایہ سے شائع ہو رہی ہے۔ اس لئے ہم اس کو کم قیمت پر مہیا کر رہے ہیں۔ اور ارادہ ہے کہ اس سے جو آمدنی ہو گی اس سے حضرت قبلہ رح کے مضامین تعلیمات اور سلسلہ کی دوسری کتابیں شائع کی جائیں گی۔ اللہ تعالےٰ نواب صاحب موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ ان کو اور ان کی اولاد کو دینی دنیوی ترقی و خوشحالی نصیب فرمائے۔ آمین۔

اس کتاب کے مسودہ پر نظر ثانی اور مبیضہ کرنے کا کام برادرم مولانا سید شاہ ابراہیم حسینی صاحب قادری فرزند سید ابو عبد اللہ الحسین شہنشاہ قادری، و فرزندم سید محمد عبد القادر حسینی و عزیزم سید محمود صفی اللہ حسینی و قار قادری نے انجام دیا۔ عزیزم سید پرورش علی حسینی ناطق نے کتابت اور کتابت اور طباعت کے کام کی نگرانی کی۔ فجزاھم اللہ عنی خیر الجزاء

آخر میں دعا ہے کہ خداوند عالم میری اس خدمت کو قبول فرمائے اور سب کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے.

آمین ثم آمین

بجاہ سیّد المرسلین والحمد للہ رب العالمین ہ

فقیر

سید محی الدین حسینی القادری

قاضی پورہ حیدرآباد دکن

۳ر صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مطابق

۲۰ر نومبر ۱۹۸۲ء

مختصر شجرۂ خاندانی

امیر المومنین
سیدنا علی ابن ابی طالب
رضی اللہ عنہ

سید الشہدا
امام حسین
علیہ السلام

سیدنا الامام
علی زین العابدین
رضی اللہ عنہ

سیدنا الامام
محمد باقر رض

سیدنا الامام
جعفر صادق رض

سیدنا الامام
موسیٰ الکاظم رض

سیدنا الامام
علی الرضا رض

سیدنا الامام
محمد التقی رض

السید موسیٰ المبرقع رض

سید سعید رح

سید صالح رح

سید احمد رح

سیّد محمد رح

سیّد یحییٰ رح

سید حسن رح

سید ابراہیم رح

سیّد نور رح

سید ابوطالب رح

سید عبدالغفار رح

سید عبدالجبار رح

سید شاہ علی رح
سید مصطفےٰ
سید عبد النبی رح
سید محمد رح
سید احمد رح
سید حسین رح
سید اولیاء رح
سید محی الدین رح
سید معین الدین رح
سید اولیاء رح
سید حید علی رح
سید محمد
بادشاہ حسینی رح
سید محمد
صدیق محبوب اللہ رح
سید محمد
باقر حسینی رح
سید محمد
عثمان حسینی رح
سید محمد
یحییٰ حسینی رح
سید محی الدین
حسینی
سید محمد ابراہیم
حسینی
سید محمد عثمان
حسینی
سید محمد
قادری
قمر النساء
صفیہ

فہرست ابواب مظہر الانوار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر حالات

ولادت اور نام و نسب آپ ۲۳ صفر ۱۳۰۳ھ م ۲ دسمبر ۱۸۸۵ء بمقام قاضی پورہ حیدرآباد دکن بوقت سحر تولد ہوئے۔ آپ کا نام سید غلام محمد یحییٰ کنیت ابوالسہل، تخلص حاذق عام طور پر یحییٰ میاں یا یحییٰ پاشاہ سے مشہور تھے۔

آپ کا سلسلہ نسب والد یا والدہ ہر دو طرف سے سید الشہدا سیدنا امام حسین علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ اس طرح آپ سادات حسینی سے ہیں۔ مختصر شجرہ خاندانی منسلک ہذا ہے۔

والد ماجد آپ حضرت سیدنا خواجہ سید محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہٗ المعروف خواجہ میاںؒ کے منجھلے صاحبزادے تھے۔

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کو عام طور پر "خواجہ بیکس نواز" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جن کا دکن کے مشہور بزرگان دین

میں شمار ہے۔ سرزمین دکن ہی نہیں بیرونِ ہند بھی آپ کا فیضان جاری ہے۔ دکن کا گوشہ گوشہ آپ کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوا۔ اس وقت مختلف سلسلوں کے حضرات کسی نہ کسی طرح آپ سے وابستہ ہونے کی سعادت رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ کے کشف و کرامات کی بیحد شہرت ہے آپ کا سب سے اہم کارنامہ سرزمین دکن سے ان تمام بدعات و رسوم کو مٹانا ہے۔ جو ضرورت سے زیادہ چھا گئے تھے اور اس کے بجائے اتباع سُنّت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر زور دیا اسی لئے آپ کو ناصر السنہ و قامع البدعۃ کا لقب ملا۔

حضرت خواجہؒ کے فیضان صحبت سے مالا مال ہو کر سرزمین دکن پر کئی آفتاب چمکے جن کے علمی و روحانی خدمات سے لاکھوں بندگان خدا مستفید ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ ان کے منجملہ شیخ المفسرین حضرت العلامہ سید شاہ عمر حسینی القادریؒ بحر العلوم حضرت مولانا شاہ محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؒ حضرت العلامہ مولانا شاہ عبد المقتدر صدیقیؒ کے نام نامی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ کے تفصیلی حالات "گلدستہ تجلیات" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ مزید تفصیلات کے لئے اہلِ ذوق اس کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

والدۂ ماجدہ | آپ کی والدہ ماجدہ حضرت قمر النساء بیگم

حضرت سید غلام شیخن احمد شطاری المعروف بہ شیخن صاحب قبلہ رح کی (جو بلدہ حیدرآباد کے مشہور و معروف بزرگ گزرے ہیں) بڑی صاحبزادی تھیں۔

آپ کی والدہ ماجدہ بحد نیک صوم و صلوٰۃ کی شدت سے پابند تہجد گزار خاتون تھیں۔ اکثر نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرتیں۔ آپ کا مکان مسجد سے ملحق تھا۔ جب مسجد میں جماعت کا وقت آتا تو فوری سب کام کاج چھوڑ کر مصلیٰ لی ہوئی بالاخانہ پر چلی جاتیں اور اس کھڑکی کے متقابل جہاں سے مسجد کا حصہ نظر آتا تھے۔ مصلیٰ بچھا کر تیار ہو جاتیں جیسے ہی اقامت شروع ہوتی نماز کو کھڑی ہو جاتیں نماز کے اوقات میں گھر یلو سب کام چھوڑ دیتیں۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ چھوٹے بچے ضد کرتے تو اس کی بھی پرواہ نہ کرتیں اور یہ فرماتیں کہ اس وقت شیطان بچہ کو ستا رہا ہے تاکہ میری نماز خراب ہو۔

طبیعت میں ہمدردی اور ایثار کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ غریبوں کے ساتھ حسن سلوک بالخصوص ضعفاء کا بے حد خیال رکھتیں۔ خود اپنی ذات پر ہر قسم کی تکلیف برداشت کرتیں لیکن دوسروں کو آرام پہنچاتیں۔ اعراس و مجالس کے زمانہ میں بالعموم مریدین و معتقدین کا جب مجمع ہوتا اور اکثر چھوٹے بچے والی عورتیں رات میں بچوں کو ادھر ادھر چھوڑ دیا کرتیں، بچے

صحن، مکان یا عبور و مرور کے راستہ پر بول و براز کر دیتے
آپ پچھلی رات سے اٹھ کر سب کی نظریں بچا کر اس تمام
بول و براز کو اپنے ہاتھ سے خود صاف کر دیا کرتیں کبھی کوئی
دیکھ لیتی اور شرمندگی سے معافی کی خواہاں ہوتی تو فرماتیں کہ
تم لوگ مہمان ہو تمھارے بچے میرے بچے ہیں۔ اگر میں نے
اپنے بچوں کا بول و براز خود اٹھایا تو اس میں کیا بُرائی ہے؟
بعض دفعہ اس کا بھی اظہار فرمایا کہ میری ساس یعنی مخدومہ
حضرت پاشاہ میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کا بھی یہی عمل تھا
اور ہماری ساس نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے۔
باوجود ہمیشہ مریدین و معتقدین گھیرے رہنے کے
گھر کے ہر کام کو آپ اپنی ذات سے انجام دینے کی کوشش
کرتیں بالعموم کمسن بچوں کا زیادہ خیال رکھتیں اور ہر طرح
ان کی دلجوئی فرماتیں۔ ان ہی صفات حسنہ کی وجہ سے
آپ نہ صرف مریدین و معتقدین بلکہ تمام برادری میں بیحد مقبول
تھیں۔ اور عزت و تکریم کی وجہ سے "پیرانی بی" کے نام
سے مشہور ہوئیں۔ حتیٰ کہ بغداد شریف کو جب بغرض زیارت
حاضر ہوئیں تو بغداد شریف میں بھی تمام لوگ آپ کو اسی نام
سے پکارا کرتے۔ مدینہ طیبہ ہجرت کی نیت سے جا کر قیام فرمایا
تو تمام اہلِ مدینہ بھی اسی نام سے آپ کو یاد کرتے تھے۔
آپ بہت مرتاض بھی تھیں۔ باوجود ان تمام مصروفیات

کے اپنے وظائف وغیرہ کی شدت سے پابند تھیں۔ آپ کا کشف بھی بہت اچھا تھا۔ حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد عشق تھا۔ ہمیشہ محبت رسول میں ڈوبی رہتیں۔ اسی کے نتیجہ میں آپ نے ہجرت کی۔ تخمیناً پانچ سال مدینہ طیبہ میں مقیم رہ کر ۲ ارجمادی الاولی ۱۳۳۲ھ کو انتقال کیا اور جنت البقیع میں اہل بیت اطہار علیہم السلام کے پائین مدفون ہوئیں۔

حلیہ و لباس

اوسط قد، لاغر جسم، گندمی رنگ، ابرو و پیشانی کشادہ، کتابی چہرہ، اونچی ناک، بڑی بڑی چمکدار آنکھیں، سپاٹ رخسار، کشادہ منہ، کشادہ سینہ سر میں زلف جو بالعموم کان کی لو تک رہتے تھے۔ فراخ دست، مضبوط جوڑ بند، کھڑاویں پیر۔

کبرسنی کی وجہ منہ میں دانت نہ تھے لیکن چہرہ کی وضع ایسی تھی کہ دیکھنے والے کو یک نظر منہ میں دانت نہ ہونے کا علم نہ ہوسکتا تھا۔ حالانکہ آپ چوکھے کا استعمال بھی نہیں فرماتے تھے۔

چہرہ پر غضب کا رعب تھا کہ ہر شخص ہمکلام ہونے سے گھبراتا تھا لیکن جب آپ سے دو چار مرتبہ گفتگو کا موقع ملتا تو پھر آپ کے انداز گفتگو سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔

رفتار بے حد تیز تھی۔ ضعیفی سے قبل تو اتنا تیز چلتے تھے کہ نوجوان آپ کے ساتھ چل نہ سکتے اور ساتھ دوڑنے

کی نوبت آتی۔

سر اور داڑھی کے بال تقریباً سفید تھے۔ صرف چند گنے چنے بال سیاہ باقی رہ گئے تھے۔

لباس بالکل سادھا سیدھا یعنے بالعموم چوبغلہ یا کرتہ بعض دفعہ کرتہ پر چوبغلہ اور پاجامہ سر پر ٹوپی، کت۔ تھے پر رومال کبھی چادر بھی اوڑھی ہے۔ چوبغلہ، کرتہ ہمیشہ سفید۔ عموماً سفید، سرخ کاڑھے اور رومال بخیال سنت نبوی استعمال فرماتے تھے۔ عیدین جمعہ اور اعراس کے موقع پر وعظ کے وقت اتباع سنت نبویؐ میں عمامہ سر پر باندھتے تھے۔ عمامہ، ٹوپی، چادر بالعموم زرد رنگ کے ہوتے۔ عموماً آپ کے عمامہ اور چادر کو ہارسنگھار کی ڈنڈی کے رنگ میں رنگا جاتا۔ بازاری رنگ کو اکثر اس لئے ناپسند فرماتے کہ اس میں غیر طاہر اجزا کی شرکت کا احتمال ہوتا ہے۔ ٹوپی عموماً اطلس کی استعمال فرماتے۔

آخر زمانہ میں عموماً سردی کے خیال سے بنین با نیم آستین کا موسم سرما میں استعمال رہا ہے۔ اور صبح کے وقت عبا بھی اوڑھتے تھے۔

پیر میں نعلین یا کھڑاویں۔ ابتدائی زمانہ میں نعلین ہی پابندی سے پہنتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ حنبلی المشرب تھے اور حنابلہ کے پاس دباغت سے غیر ذبیحہ کا چمڑا پاک نہیں ہوتا۔ اور نعلین

کا چمڑا ذبیحہ کا ہونا غیر یقینی ہوتا ہے۔ اس لئے آپ نے نعلین کو ترک فرماکر کھڑاویں استعمال کرنا شروع کیا۔ برسوں کھونٹی کے کھڑاویں استعمال فرمائے۔ اور کھونٹی کے کھڑاویں پہنے میلوں پیدل بھی بے تکلف چلتے تھے۔ لیکن بعد میں حکماء کے منع کرنے پر اس کا استعمال ترک کر کے پٹے دار کھڑاویں استعمال کرنا شروع کیا۔ کھڑاویں کے پٹے بھی چمڑے کے نہیں بلکہ نوار کے ہوتے تھے۔ بعض دفعہ بعض پیر بھائیوں نے بطور خاص ذبیحہ چمڑے کی نعلین تیار کروا کر پیش کی تو اس کا استعمال فرمایا ہے۔

ہاتھ میں عموماً چھوٹی تسبیح ہوتی۔ لانبی تسبیح پسند خاطر نہ تھی۔ اور تسبیح بھی صندل کی لکڑی کی زیادہ پسند تھی۔

ہاتھ میں عموماً لکڑی رکھا کرتے۔ جس زمانہ میں ہتھیار کھلا تھا۔ اس وقت کبھی کبھی برچھا بھی ہاتھ میں رکھا کرتے۔

تحصیل علوم و فنون

حضرت فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ کی مجھ پر زیادہ عنایت تھی اپنے پاس سے جدا ہونے نہ دیتے اس لئے حضرت کی حیات تک ابتدائی تعلیم حضرت ہی کے پاس ہوئی۔ حضرت کے بعد حضرت سید عمر علیہ الرحمہ کے پاس باضابطہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر مدرسہ دار العلوم

میں شریک ہوکر " مولوی " پنجاب کے کورس میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد مولوی عالم کا امتحان دیا۔

والد ماجد کے انتقال کے بعد جب آپ کی والدہ ماجدہ نے ہجرت کی نیت سے حرمین شریفین کا قصد فرمایا تو آپ والدہ کے ساتھ تھے۔ دو سال مدینہ طیبہ میں قیام رہا۔ مدرسہ فخریہ میں مولانا حسین احمد مدنی کے پاس آپ کی تعلیم ہوتی رہی۔ بعد ازاں آپ نے اپنے پھوپی زاد برادر حضرت علامہ محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؒ کے پاس تفسیر و حدیث کی تکمیل کی۔

فقہ و کلام کی تعلیم اپنے خسر حضرت علامہ سید شاہ غلام غوث شطاریؒ سے پائی۔ تصوف کی تکمیل اپنے برادر معظم حضرت سید شاہ محمد عثمان حسینی قبلہ علیہ الرحمہ کے پاس فرمائی۔ قرأت سیدنا امام عاصم کوفی کی تکمیل اپنے چچا حضرت شاہ عمر حسینیؒ کے پاس کی بعد میں حضرت موصوف ہی کے پاس قرأت سبعہ کی تعلیم بھی شروع کی تھی۔ مگر اس کی تکمیل نہ فرما سکے۔ آپ نہ صرف جید قاری بلکہ بے حد خوش الحان بھی تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت سید عمر قبلہؒ نے آمن الرسول یاد دلایا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ محبوب اللہ کے زمانہ میں عرس شریف کے موقع پر حضرت کے حکم سے میں نے

آمن الرسول کی تلاوت کی تو حضرت کی توجہات خصوصی سے مجلس پر عجیب و غریب رقت کی کیفیت طاری تھی۔ باوجود صغر سنی و بے شعوری کے میں خود بھی غیر معمولی متاثر تھا۔ حضرت کے بعد ایک مجلس قرائت حضرت سید عمر علیہ الرحمہ کے پاس منعقد ہوئی، جس میں امام القراء حضرت قاری تونسیؒ بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت عم محترم سید عمر علیہ الرحمہ نے مجھ سے آمن الرسول کی تلاوت کی خواہش کی۔ میں نے جب تلاوت شروع کی تو پوری مجلس پر غیر معمولی رقت طاری ہو گئی۔ چچا حضرت کی آنکھوں میں حضرتؒ کے زمانہ کا وہ سماں کھنچ گیا۔ ختم قرائت کے بعد حضرت امام القراء قاری تونسیؒ نے مجھے قریب بلا کر تحسین کے بعد چچا حضرتؒ سے فرمایا کہ اس بچہ کی ادائی اچھی ہے۔ اور تکمیل تجوید کا مشورہ دیا۔

ایک اور واقعہ فرماتے تھے کہ ہمارے زمانہ شباب میں جب کہ میں قرائت سیدنا عاصم کوفیؒ کی تکمیل کے بعد قرائت سبعہ شروع کیا تھا دار العلوم میں شیخ التجوید کی جائیداد بوجہ علیحدگی قاری ابراہیم صاحب تفرر طلب برآمد ہوئی۔ اور حکومت کی جانب سے درخواستیں پیش کرنے کا اعلان ہوا تو چچا حضرت کے ارشاد پر میں نے بھی درخواست کی۔ جب میرا نمبر آیا اور میں نے آنکھیں بند کر کے تلاوت

شروع کی تو سب پر رقت طاری ہو گئی۔ اثنائے تلاوت میں کسی کو مجھ سے سوال کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ختم تلاوت کے بعد جب میں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ہر شخص کی آنکھیں نم تھیں۔ خود قاری ابراہیم صاحب بھی متاثر نظر آرہے تھے میری آواز پر دفتر کے تمام لوگ محفل کو گھیرے ہوئے تھے۔ اور ہر شخص کی زباں پر سبحان اللہ تھا۔

آپ اچھے خطاط بھی تھے۔ نسخ اور نستعلیق دونوں سے واقف تھے۔ نسخ میں آپ کو اپنے برادر معظم حضرت سید شاہ عثمان حسینی قبلہؒ سے تلمذ تھا۔ اور نستعلیق میں مولوی ہاشم علی صاحب خوش نویس سے جو مولوی مظفر الدین صاحب زرین رقم کے خاص تلامذہ سے تلمذ تھا۔

آپ کو فنون سپہ گری سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ آپ کے خاندان کی چند خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس خاندان کے ہر فرد کو علمی ذوق کے ساتھ فنون سپہ گری سے دلچسپی اور اس میں ضرور دخل رہا۔ تیسرے شاعری سے بھی سب کو کچھ نہ کچھ لگاؤ ہے۔ فرماتے تھے کہ مجھے بھی اوائل عمری سے ورزش کا شوق رہا۔ میں نے روزانہ پانچسو ڈنڈ اور ایکہزار بیٹھک کرے۔ پنجہ کشی کا بھی شوق تھا۔ اس کے لئے روزانہ حوض پر بیٹھے منہ کے لوٹے میں پانی بھر کر لوٹے کو الٹتا تھا۔

تاکہ انگلیوں میں کس پیدا ہو، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے ساتھیوں میں میرا پنجہ سب میں مشہور تھا۔

حضرت کو کشتی کے داؤ پیچ سے بھی دلچسپی رہی۔ بنوٹ لٹھ، تلوار اور جمبیہ کی تعلیم اپنے برادر معظم حضرت مولانا حسرتؔ سے حاصل فرمائی۔

شاعری سے خاص لگاؤ تھا۔ حاذقؔ تخلص فرماتے تھے۔ ابتدا میں آپ اپنا کلام اپنے برادر معظم حضرت سید شاہ عثمان حسینی فائقؔ علیہ الرحمہ کو دکھاتے تھے۔ بعد میں چند روز استاد جلیلؔ کو دکھایا۔ استاد جلیلؔ شاہی استاد مقرر ہونے پر عدیم الفرصت ہو گئے تو استاد ثاقبؔ بدایونی کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ کلام کا زیادہ حصہ استاد ثاقبؔ بدایونی ہی کا دیکھا ہوا ہے۔

آپ کا کلام اردو، فارسی اور ہندی میں موجود ہے۔ عام طور پر مشاعروں کی محافل کی شرکت کو ناپسند فرماتے تھے۔ البتہ خود اپنے مکان پر بعض دفعہ مشاعرہ کی محفل منعقد کی ہے آپ کے کلام کا اکثر حصہ محفوظ نہیں رہا۔ پھر بھی جس قدر دستیاب ہو سکا۔ اس کو جمع کر کے شائع کیا جا رہا ہے موجودہ کلام مختلف نوع رباعی، غزل، ٹھمری، گیت، مثنوی وغیرہ پر مشتمل ہے زیادہ تر حصہ نعت شریف و منقبت میں ہے۔

اخلاق و عادات

آپ بچپن سے بےحد ذکی اور نیک تھے۔ اوائل عمری ہی سے آپ نے والدین کی بےحد خدمت کی۔ والد ماجد جب تک بقید حیات رہے آپ کا تمام وقت حضرت کی خدمت میں گذرا۔ ہر کام والد ماجد آپ ہی سے لیتے جہاں تشریف لے جاتے آپ کو اپنے ساتھ رکھتے۔ تمام بچوں میں آپ زیادہ عزیز تھے۔

حضرت خواجہ محبوب اللہ کے رُخِ انور پر رعب بہت تھا۔ جس کی وجہ سے اکثر لوگ حضرت سے عرض و معروض کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ بعض لوگ معروضے پیش کرنے کی غرض سے حاضر ہوتے۔ مگر عرض کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ تو ایسے مواقع پر بالعموم مریدین و معتقدین آپ سے رجوع ہوتے کہ آپ حضرت سے عرض کریں۔ اس لئے آپ ان کی جانب سے معروضے پیش فرماتے کہ حضرت فلاں کا ایسا ایسا معروضہ ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ مجھے بچپن سے تمباکو کھانے کی عادت اس لئے ہوئی کہ حضرت خواجہؒ پان میں تمباکو استعمال فرماتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت کھانے کے بعد پان کھاتے اور میں جا کر حضرت کے منہ کا پان لے کر کھا لیتا۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت نے پان کھایا ہی نہ تھا کہ میں نے مطالبہ شروع کر دیا۔ تو مسکرا کر فرماتے کہ ذرا چبانے تو دو ان حالات کو اکثر حضرت کے مریدین بھی دیکھا کرتے تھے۔ اس لئے بعض دفعہ بعض مریدین اس حضرت کے استعمال فرمودہ پان کو خود کو دینے مجھ سے خواہش کرتے تو میں پان کو لے کر ان کو دیدیا کرتا۔ کبھی اگر حضرت ملاحظہ فرما لیں لے کر کھایا نہیں بلکہ میرے ہاتھ میں محفوظ ہے تو فرماتے پان اس قدر اصرار سے لیا ہے پھر کھاتے کیوں نہیں؟ تو میں عرض کرتا کہ جی ابھی کھاتا ہوں۔ مگر میں کھاتا نہ تھا تو مسکرا دیتے اور فرماتے کہ شاید کسی نے کوئی اشارہ کیا ہے۔

والدہ ماجدہ کی خدمت

حضرت کے وصال کے بعد آپ والدہ ماجدہ کی خدمت میں رہے۔ اور ہر طرح والدہ ماجدہ کا خیال رکھتے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت کے وصال کا چونکہ اماں جان کو بے حد صدمہ تھا۔ اکثر روتی رہتی تھیں۔ اس لئے میں عرصہ تک فقط اماں جان کی خدمت میں رہا۔ اور صبح سے شام تک ادھر ادھر کی باتیں اور مذاق کیا کرتا تاکہ اماں جان کا جی بہلے۔

والدہ ماجدہ کی شفقت کا بھی یہ حال تھا کہ ہر کام میں آپ کو یاد فرماتیں اکثر معاملات میں آپ سے مشورہ کرتیں۔

آپ کا بیحد خیال رکھتیں، آپ کو بہت عزیز رکھتی تھیں والدۂ ماجدہ جب تک حیدر آباد میں تشریف فرما رہیں ہر مقام پر آپ کو ساتھ رکھا۔ حتیٰ کہ ابتداء میں جب والدۂ ماجدہ نے حضرت خواجہؒ کے وصال کے بعد حج و زیارت کا ارادہ فرمایا تو اس وقت بھی آپ ساتھ رہے۔ سفر میں بھی ہر کام میں والدۂ ماجدہ آپ کو ہی یاد کیا کرتیں۔

خودداری

آپ بچپن سے بیحد خوددار اور غیور طبیعت تھے فرماتے تھے کہ حضرت کی ایک مریدنی رحمت بی نامی نواب افضل الدولہ مرحوم کی خواص تھیں۔ محل ہی میں رہتی تھیں۔ زمانہ قدیم میں محلات شاہی میں چار سال سے زائد عمر کے مرد بچے داخل نہ ہو سکتے تھے۔ اس لیئے ہماری صغر سنی میں رحمت بی اکثر ہم کو بلواتیں اور سارا دن اپنے پاس رکھتیں۔ ایک مرتبہ محل میں کھیلتے ہوئے میں برہنہ پا نکل گیا۔ تو رحمت بی نے کہا "یا شاہ! آپ لوگ اس طرح ننگے پاؤں کھیلیں گے تو کیسا ہوگا۔ ننگے پاؤں کھیلنا بُری بات ہے۔ اس کے بعد سے جب کبھی میں محل میں گیا کبھی ننگے پاؤں نہیں کھیلا۔

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ چار بجے احاطہ مسجد میں ہم کھیل رہے تھے کہ میں جوتا ایک طرف چھوڑ کر دوڑ رہا تھا کہ حضرت خواجہؒ باہر تشریف لائے اور مجھے آواز دی، میں

حاضر ہوا تو فرمایا کہ چلو حضرت شاہ راجو حسینی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کو جائیں گے۔ میں نے عرض کی ابھی جوتا پہن کر حاضر ہوتا ہوں تو فرمایا کہ جوتا رہنے دو اسی طرح چلو، تعمیل حکم میں ساتھ ہو گیا۔ حضرت نے اپنے دست مبارک سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور نمازی بنڈہ کی طرف سے روانہ ہوئے۔ راستہ تمام مجھے اپنے برہنہ پا ہونے کی شرمندگی ہو رہی تھی۔ اور بار بار خیال آرہا تھا کہ محلہ نمازی بنڈہ میں اکثر برادری کے لوگ رہتے ہیں کسی سے اگر راستہ میں ملاقات ہو جائے تو مجھے اس طرح دیکھ کر کیا کہیں گے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ آتے اور جاتے کسی رشتہ دار سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس واقعہ سے جہاں حضرت کی خودداری کا پتہ چلتا ہے وہاں حضرت خواجہؒ کے شانِ استغناء کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کے وصال کے وقت میری عمر دس (۱۰) سال کی تھی۔ حضرت کی تشریف فرمائی تک میں صرف پارۂ عم ختم کر سکا تھا۔ کیونکہ میرا زیادہ وقت حضرت ہی کی خدمت میں صرف ہوتا تھا۔ میرے ہم عمر چچا زاد بھائی تقریباً قرآن مجید ختم کر چکے تھے۔ مجھے بڑی شرمندگی محسوس ہونے لگی تو میں نے اپنے ایک پیر بھائی مسمی مولوی محمد عبد القادر صاحب سے خواہش

کی کہ وہ مجھے روزانہ میں قرآن مجید کی اس طرح تعلیم دیں کہ میرے بھائیوں کو اس کی خبر نہ ہو۔ چنانچہ روزانہ قرآن مجید ان کے پاس پڑھنا شروع کیا اور تین مہینے میں ختم کرلیا۔

فرماتے تھے حضرت خواجہ کے وصال کے بعد میرے چچا حضرت سید عمر صاحب قبلہ نے فرمایا کہ آپ تعلیم میں بہت پیچھے ہیں میرے پاس آیئے میں بہت جلد اس کمزوری کو دور کردوں گا۔ دوسرے روز جب میں کتاب لے کر پہنچا تو دیکھا کہ میرے برادران عمزاد بہت آگے نکل چکے ہیں۔ چچا حضرت قبلہ نے فرمایا کہ پاشاہ! آپ فکر نہ کریں میں بہت جلد آپ کو ان سے ملادوں گا مگر محنت شرط ہے۔ چچا حضرت قبلہ کی تعلیم کا خاص انداز تھا۔ بچوں کو کھیل کھلاتے پڑھاتے تھے۔ دوسرے لوگ ہفتوں میں جتنا پڑھایا کرتے چچا حضرت قبلہ دنوں میں اتنا پڑھا دیتے اور بچوں پر کسی قسم کا بار بھی نہ ہوتا۔ اثنائے تعلیم میں دیکھا کہ بعض بچوں کو جو سبق یاد نہیں کرتے تو بعض دفعہ انھیں سزا بھی دی جاتی۔ میں ہر وقت یہ خیال کرتا کہ میرے لیے کبھی ایسی نوبت نہ آئے۔ بحمدہ تعالیٰ ختم تعلیم تک کبھی ایسی نوبت نہ آئی اور چند ماہ میں چچا حضرت نے مجھے اپنے برادرانِ عمزاد کے ساتھ ملادیا۔

ہمدردی آپ کی طبیعت میں ہمدردی کا مادہ بہت زیادہ تھا ہر ایک کیساتھ حسن سلوک فرماتے انکے آڑے وقت کام آتے۔ ان کی ممکنہ مدد فرماتے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ اوائل عمر ہی سے میں جب کبھی بازار جاتا تو گھر کی فرمائشات کے علاوہ ضعیف بیوگان، قرابت دار، پیر بھائیوں، پیر بہنوں کے کام کر دیا کرتا۔ بالعموم ایسا ہوتا کہ ضعیف عورتیں مجھ سے خواہش کرتیں کہ آپ بازار سے ہم کو فلاں فلاں اشیاء لاکر دیجئے تو میں فہرست لکھ کر ان سے پیسے لیتا اور ہر چیز ان کے حسب خواہش لاکر پہنچا دیتا اور حساب بھی سمجھا دیتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ میں جو اشیا لاتا وہ کہتی تھیں کہ دوسرے لوگ ایسا مال اس دام سے ہم کو نہیں لا دیتے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر وقت دس پانچ ضعیفوں کی فرمائشات مجھے لانی پڑتیں مجھے اس میں کسی قسم کا بار نہ ہوتا۔ بلکہ میں ان ضعیفوں کی خدمت کو اپنے لئے باعث اجر تصور کرتا اور وہ بوڑھی عورتیں مجھ کو بے حد دعائیں دیتیں۔

فرماتے تھے کہ میں نے سفر کی حالت میں بھی ہمیشہ اس کی کوشش کی کہ حتی الامکان مجھ سے دوسروں کو آرام پہنچے چنانچہ میرا ابتدائی سفر جب کہ والدۂ ماجدہ کے ہمراہ حرمین شریفین کا ہوا تو اس وقت میری عمر تقریباً سترہ

(۱۷) سال تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب جدہ سے مکہ مکرمہ اور مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ قافلے اونٹوں پر جاتے تھے۔ کئی کئی روز راستے میں گزارنے پڑتے اور اونٹوں کے سفر میں سازین کو راستے میں پیشاب پاخانے کی ضرورت ہوتو اونٹ سے اترکر فارغ ہونا پڑتا۔ اور قافلہ کسی کی ایسی ضرورت کے لئے رکتا نہ تھا۔ بلکہ اونٹ برابر چلتے رہتے۔ چنانچہ ایسی ضعیف عورتیں جن کو بالعموم جلد جلد پیشاب آتا جب کبھی ضرورت ہوتی مجھے آواز دیتیں میں فوراً اپنے اونٹ سے اترکر ان کے پاس آتا ان کے اونٹ کو قطار سے علیحدہ کرکے ٹھہراتا ان کو اتارکر ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد پھر سوار کراتا۔ پھر اونٹ کو اس کی قطار میں شریک کرتا۔ بعض دفعہ راتوں میں ایسا بھی ہوا کہ میں مسلسل آدھا گھنٹہ بھی اپنے اونٹ پر آرام نہ لے سکا۔ یعنی ابھی چند منٹ قبل ایک ضعیفہ کو اتارکر ان کی ضروریات سے فارغ کرواکر واپس نہ آیا تھا کہ دوسرے اونٹ سے دوسری ضعیفہ نے آواز دی۔ اس طرح دن رات خدمت خلق کا سلسلہ جاری رہا۔ اکثر لوگ مجھ سے کہتے کہ آپ کو مطلق آرام نہیں ملتا۔ اپنی صحت کا بھی خیال رکھئے۔ تو میں ان کو یہی جواب دیتا کہ خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے اس

قابل کیا ہے تو خدمت خلق کی اس نعمت سے خود کو کیوں محروم رکھوں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں بھی میں نے والدہ ماجدہ کی خدمت کے علاوہ دیگر ہمراہیان سفر کی خدمت کو اپنے لئے باعث سعادت تصور کیا۔ چنانچہ اکثر ایسی بوڑھی عورتیں جو بغیر کسی کے سہارے کے حرم شریف تک نہ پہنچ سکتی تھیں میں ان کو اپنے ساتھ ساتھ پکڑ کر لے جاتا اور جب وہ واپس ہونا چاہتیں تو ان کے قیام گاہ پر لاکر چھوڑتا۔ اگر بازار سے کوئی شئے منگوانا چاہتیں تو ان کو لاکر دیتا اس کی وجہ اکثر یہ ضعیف عورتیں ہر مقام پر میرے ساتھ رہنے کی خواہش کرتیں اور دعائیں دیتیں۔

سادگی

آپ طبعاً بہت سادہ مزاج تھے۔ لباس بھی بہت سادھا سیدھا استعمال فرماتے لیتے صرف چوبغلہ ٹوپی کاندھے پر رومال پیر میں کھڑاویں یا نعلین پہنتے تھے۔ بعض دفعہ اپنے پرانے کپڑوں کو خود ہی پیوند لگاتے۔ اپنے کھڑاویں کے پٹوں کو خود ہی کیلے ٹھونک لیتے، بسا اوقات گھر کی معمولی داغدوزی بھی خود ہی کرلیا کرتے۔ ایک مرتبہ مسجد کی منڈیر شکستہ ہوگئی رمضان شریف قریب تھا تو آپ خود مٹی اور اینٹ سے اس کی بندش فرمارہے تھے۔ آپ کے ایک خادم منشی شیخ مدار صاحب

حاضر تھے۔ انھوں نے خود اس کام کو انجام دینے کی اجازت مانگی تو فرمایا کہ کیا تم نے کبھی اس طرح کا کام کیا ہے۔ انھوں نے عرض کی ابھی تک تو اس کا موقع نہیں ملا مگر معمولی کام ہے میں کر لوں گا۔ فرمایا کہ نہیں ہر کام کی نوعیت جدا ہے۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ مولوی حسن بن محسن صاحب داماد نواب شمشیر نواز جنگ آپ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے۔ جونہی منشی صاحب نے ان کو دیکھا بڑھ کر آپ کے ہاتھ سے بھاوڑی حاصل کرنے کی کوشش کی تو مسکرا کر فرمایا کہ منشی صاحب آپ واقف ہی نہیں تو کیونکر اس کی تکمیل کر سکیں گے۔ مجھے یہ کام آتا ہے اس لئے کر رہا ہوں۔ ہر چند منشی صاحب کی جانب سے اصرار ہوتا رہا مگر آپ نے بھاوڑی نہ دی اور اسی طرح کام کرتے کرتے ان سے گفتگو فرماتے رہے۔ مسجد کا بوریہ پھٹ جاتا تو بالعموم اپنے ہاتھ سے بوریئے کے پتوں کو بھگو کر پیوند لگاتے، بسا اوقات وظیفہ پڑھتے پڑھتے یہ کام جاری رہتا۔ اس عرصہ میں کوئی آجائے تو ان سے گفتگو فرماتے ہوئے یہ کام جاری رہتا۔

کبھی کوئی کام نکل آتا اور پیر بھائیوں سے مدد لینے کی ضرورت پڑتی تو ان کے ساتھ خود بھی برابر شریک رہتے۔ چنانچہ عیدگاہ میر عالم تالاب کے محاذی جو مسجد ہے

اس مسجد کو آباد کرنے کی غرض سے اس کی تعمیر کروائی، چبوترہ کی بھرت کے لئے کئی دن پیر بھائیوں کو ساتھ لے کر خود تشریف لے جاتے اور سب کے ساتھ خود بھی مٹی کے ٹوکرے اٹھاتے اس طرح چبوترے کی بھرت کا کام انجام پایا۔

۱۶۔ عرس اور مجالس میں جب عام کھانا ہوتا تو آپ سب کے ساتھ ہی تشریف رکھتے اور کھانا کھاتے۔ کبھی کوئی امتیازی صورت پیدا ہونے نہ دیتے۔

ابتدائی زمانہ میں جب کہ آپ کی صحت اچھی تھی بالعموم پیدل چلتے۔ حتیٰ کہ شمس آباد اور قلعہ محمد نگر کو بھی بعض پیر بھائیوں کے پاس پیدل تشریف لے جاتے کیونکہ اس زمانہ میں سواریوں کی ایسی سہولت نہ تھی جیسی آج موٹر کاروں، بسوں اور ریل وغیرہ کی وجہ سے ہو گئی ہے۔

حضرت بابا شرف الدین قبلہؒ کے عرس شریف میں بالعموم سب پیر بھائیوں کے ساتھ پیدل تشریف لے جاتے اور پیدل واپس ہوتے۔ یہ سفر بھی بڑا پر لطف ہوتا۔ عموماً تہجد کی نماز پڑھ کر گھر سے نکلتے آبادی سے باہر فلک نما پہنچنے کے بعد ذکر شروع کرتے اور یہ ذکر بالجہر کرتے ہوئے پنڈ گوڑہ کے راستے سے جاتے جو قریب پڑتا ہے۔ جب پہاڑی شریف کی آبادی کا سلسلہ شروع ہوتا تو ذکر موقوف فرما دیتے۔

اور سب کو اوپر پہاڑی پر پہنچنے تک سورہ اخلاص کا ورد کرنے کا حکم فرماتے، اوپر پہنچنے کے بعد سب مل کر سورہ والضحیٰ سے سورہ ناس تک سورتیں پڑھتے پھر مختصر سا ذکر ہوتا۔ اور فاتحہ کے بعد کسی جگہ ٹھیر کر ناشتہ ہوتا، کیونکہ سب لوگ اپنا اپنا توشہ ساتھ لے کر چلتے تھے۔ حضرت کے ساتھ بھی توشہ ہوتا۔ ناشتہ کے بعد پھر اسی راستہ سے پیدل واپسی ہوتی۔ بعض دفعہ بعض صاحب سواری پیر بھائیوں نے سواری بھی حاضر کی تو بچوں کو سواری میں بٹھا دیا اور خود سب کے ساتھ پیدل ہی تشریف لے گئے۔ البتہ آخر زمانہ میں سواری میں آیا جایا کرتے تھے۔

سواریوں میں بھی ہر قسم کی سواریوں پر تشریف رکھے ہیں۔ ایک مرتبہ تالاب میر عالم کو پیدل تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک صاحب جو بنڈی (بیل گاڑی) میں شمس آباد جا رہے تھے ملے۔ اور بنڈی کو روک کر آپ سے ملاقات کی دریافت کیا تو فرمایا کہ تالاب میر عالم جا رہا ہوں، انھوں نے عرض کی کہ بنڈی حاضر ہے اگر اجازت ہو تو تالاب پر چھوڑ دیتا ہوں، آپ نے اس کو منظور فرمایا اور بنڈی میں ان کے ساتھ ہوگئے۔

نام و نمود و تکلفات سے تنفر

آپ کو نام و نمود سے سخت تنفر تھا۔ اپنے پاس کے مجالس کی کوئی اطلاع کسی اخبار میں دینا بھی ناگوار ہوتا۔ بعض حضرات نے عرض کیا کہ کم از کم اعراس کی اطلاع مقامی اخبارات میں دینے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے کہ بعض اہل سلسلہ اضلاع میں رہتے ہیں۔ تواریخ یاد نہیں رہتے اخبار میں تاریخ کا اعلان ہو جائے تو یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ وہ مرید جس کو اپنے پیر سے ربط ہوتا ہے۔ اس کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسا مرید جس کو اپنے پیر سے ربط ہی نہیں، اس کے آنے سے حاصل بھی کیا۔

ایک مرتبہ حضرت دادا پیر قبلہؒ کا عرس شریف قریب تھا۔ جمعہ کی نماز آپ مکہ مسجد میں پابندی سے ادا فرماتے۔ اور ہر جمعہ کو مولوی محمد اکبر علی مرحوم مدیر صحیفہ بھی پابندی سے مکہ مسجد آیا کرتے۔ مدیر صحیفہ آپ کے طالب علمی کے زمانے کے ساتھیوں میں سے تھے۔ بیحد خلوص رکھتے۔ ہر جمعہ پابندی سے آپ سے ملاقات بھی کرتے تھے۔ اس جمعہ کو بھی حسب عادت ملاقات کی تو آپ نے زبانی عرس شریف کی دعوت دی اور فرمایا کہ ہمارے پاس عرس شریف کے موقع پر رقعے تقسیم نہیں

ہوتے البتہ مخلصین سے ملاقات ہو تو زبانی کہہ دیا جاتا ہے۔
اگر آپ کو فرصت رہے تو تشریف لائیے۔ اور عرس شریف
کا پروگرام بھی زبانی فرمایا۔ چونکہ یہ اخبار کے مدیر تھے
دوسرے روز کے اخبار میں عرس شریف کا پورا پروگرام
بصراحت شائع کر دیا۔ اخبار صحیفہ روزانہ آپ کے پاس بھی آتا تھا
آپ نے اخبار میں اس کو ملاحظہ فرمایا۔ اور جب دوسرے
جمعہ کو مدیر صاحب سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ میں نے آپ
کو عرس شریف کی دعوت دی تھی نہ کہ پروگرام شائع
کرنے کہا تھا۔ مدیر صاحب نے جواب دیا کہ اس سے
نقصان کیا ہوا، آپ کے اہل سلسلہ کو عرس کی اطلاع ملی جو ان
کی شرکت کے لئے مفید ثابت ہوئی ہوگی۔ تو آپ نے فرمایا
کہ دیکھئے میں اس کو سخت ناپسند کرتا ہوں۔ اگر آپ آئندہ
مجھ سے خلوص برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو بغیر میری اجازت کے
میرے پاس کی کوئی اطلاع شائع نہ کریں۔ ورنہ آپ کی اور
میری محبت برقرار نہ رہے گی۔ اس کے بعد سے مدیر صحیفہ
نے پھر کوئی خبر شائع نہ کی۔

اس طرح تکلفات بھی سخت ناپسند تھے، بعض
دفعہ حوض کے پاس زمین پر رومال، ٹوپی اور عینک رکھ کر
وضو فرماتے اور کوئی پیر بھائی اس رومال ٹوپی کو اٹھا کر

آپ کے وضو سے فارغ ہونے تک کھڑے رہتے اور بعد وضو اس کو پیش کرتے تو فرماتے کہ اس سے کیا حاصل اس عمل سے تم نے مجھے کیا فائدہ پہنچایا۔ اسی طرح کوئی نعلین یا کھڑاویں سامنے سیدھے کر کے رکھتا تو ناراض ہو جاتے اور فرماتے کہ ایسے مہمل حرکات سے کیا فائدہ ہے۔ یہ غیر ضروری تکلفات ہیں۔ جس سے احتراز ضروری ہے۔

قومی درد آپ کو قومی درد بھی بہت تھا ہر وقت دعائیں فرمائیں۔ اور دوسروں کو بھی ہمیشہ دعا کرنے کی تاکید فرمائی۔ بشرط ضرورت بعض دفعہ عملی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا ورنہ آپ کی زندگی کا طرز عام حیثیت سے بالکل جداگانہ تھا۔ ۱۳۳۳ھ میں جب کہ بلدہ حیدرآباد میں تعلیم اس قدر عام نہ تھی۔ گنتے چنے مدارس تھے۔ آپ نے اپنی قیام گاہ پر ایک مدرسہ اپنی ذات سے قائم فرمایا۔ جس میں جماعت وسطانیہ تک تعلیم کا انتظام تھا۔ بعض پیر بھائیوں کو تعلیم کے لئے مقرر فرمایا۔ اور خود بھی تعلیم دیتے تھے۔ اور تعلیم مفت دی جاتی تھی۔ جب سرکاری مدارس قائم ہو گئے۔ اور ضرورت باقی نہ رہی تو آپ نے اس انتظام کو برخواست فرمادیا۔

حضرت پولیس ایکشن سے قبل بیحد پریشان رہا کرتے۔

بعض حضرات نے دریافت کیا تو فرمایا کہ پریشانی اس بات کی ہے کہ اضلاع متاثر ہونے کا امکان ہے۔ مگر خدا چاہا تو بلدہ تباہ کاریوں سے محفوظ رہے گا۔ پولیس ایکشن کے بعد تقریباً ڈیڑھ مہینہ روزانہ سبکو ساتھ لے کر صبح سوا لاکھ اور شام سوا لاکھ مرتبہ "وقل رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین"

کا ختم پڑھتے رہے۔ اس زمانہ میں شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری[7] قاضی پورہ ہی میں تشریف فرما تھے۔ اور موصوف کی عادت تھی کہ اوقات نماز کے وقت اگر گھر میں ہوتے تو ضرور مسجد میں آکر جماعت سے نماز ادا کرتے اس لئے صبح کی نماز بالعموم مسجد ہی میں حضرت کے ساتھ ادا کرتے۔ نماز صبح کے بعد مسجد میں ختم ہوتا مگر مولانا موصوف ختم میں شریک نہ رہتے کہ آپ کو اختلاف تھا کہ بجائے "وقل رب اغفر وارحم الخ" کے "رب اغفر وارحم الخ" کا ختم ہونا چاہئے۔ ایک ہفتہ غالباً آپ شریک ختم نہ رہے۔ اس کے بعد ختم میں تشریف رکھے۔ اور بعد ختم حضرت سے فرمایا کہ بھائی! (یہ حضرت کے حقیقی چچا زاد بھائی اور عمر میں بہت چھوٹے تھے) میں نے رات خواب میں دیکھا کہ مسجد کے حوض کے غربی جانب چوکی پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ کے قریب ایک صحابی کھڑے

ہو کر عرض کر رہے ہیں کہ یا رسول اللہ آپ نے پڑھنے کا جو حکم دیا ہے وہ و قُل رب اغفر وارحم الخ یا رب اغفر وارحم الخ ہے تو سرور کائنات نے فرمایا کہ و قل رب اغفر وارحم الخ پڑھو۔ اس خواب سے بیدار ہونے کے بعد میں نے خیال کیا کہ شاید آپ دربار رسالت کے حکم سے یہ ختم پڑھوا رہے ہیں۔ مجھے اس پر اعتراض تھا کہ دعا میں و قل کا اضافہ نہ ہونا چاہیئے۔ مجھے خواب میں اس کا جواب دیا گیا تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ بادشاہ! (آپ اسی نام سے بالعموم مولانا کو یاد فرماتے تھے) ہماری باتوں کو ابھی آپ نہ سمجھیں گے۔

یہ ختم پولیس ایکشن کے ابتدائی زمانہ میں روزانہ صبح و شام سوا سوا لاکھ مرتبہ ہوتا رہا اس کے بعد شام کا موقوف ہوکر صرف صبح سوا لاکھ مرتبہ عرصہ تک ہوا پھر جب حالات سنبھلنے گئے تو اس میں کمی فرماتے گئے۔ اب تک بھی روزانہ صبح و شام دو ہزار مرتبہ بہ پابندی ہوتا ہے۔ پولیس ایکشن کے بعد حیدرآباد و اضلاع کا کوئی محلہ شاید ایسا نہیں رہا جہاں کے لوگوں کو رضاکار کا نام دے کر گرفتار نہ کیا گیا ہو خواہ وہ تخریبی اعمال میں حصہ لئے ہوں یا نہیں۔ لیکن قاضی پورہ اور اس کے نواح کی یہ خصوصیت رہی کہ ایک آدمی بھی یہاں سے گرفتار نہیں ہوا۔ البتہ

خانہ تلاشی ضرور ہوئی مگر پولیس نے کسی پر ہاتھ نہیں ڈالا۔
پولیس ایکشن کے بعد آپ نے بہت سے اہلِ سلسلہ کو بھی پابندی سے مذکورہ بالا ختم کا ورد کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور جو اس کے پابند رہے ان کی ملازمتوں پر بھی اس کا اثر نہ ہوا۔ ان کی جان اور مال کی حفاظت بھی ہوئی۔ چنانچہ ایک پیر بھائی جناب خان نامی گھڑی ساز تھے۔ مصری گنج میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ چند غنڈہ عناصر غازی بنڈہ سے یہ حیلہ لے کر کہ مسلمان اپنے گھروں میں ہتھیار چھپا رکھے ہیں۔ لوٹ مار کرنے ان کے گھر پہنچے، گھر کی تلاشی لی۔ مگر ایک چیز کو ہاتھ نہ لگایا یہ کہتے ہوئے کہ تم سیدھے آدمی ہو اطمینان سے رہو واپس چلے گئے۔ یہ کیسے نہ ہوتا جبکہ سردارِ دوجہاں نے محفوظ رہنے کی تدبیر بتائی ہے۔

وہ بزرگانِ دین جو تحت امر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔
ان کا حکم ان کا نہیں ہوتا بلکہ بمصداق اس کے ؎

گفتہ او گفتہ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

کسی اور کا حکم ہوتا ہے جس کو سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ بالعموم مجھے ایسا حکم ہو رہا ہے کہنے کے عادی نہ تھے بلکہ اس کو ناپسند فرماتے تھے۔ البتہ بعض اوقات ضرورت محسوس فرمائی تو مجبوراً اس کا اظہار فرمایا ہے۔

چنانچہ مولانا شاہ محمد عبد الغفور صدیقی المقتدری رح بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں آپ کی اجازت سے درگاہ شریف قاضی پورہ میں چلہ کیا تھا۔ محرم شریف کا مہینہ تھا۔ ۸ محرم الحرام کو خیال ہوا کہ عشرہ شریف سے قبل چلہ برخواست کر دینا چاہیئے میں نے آپ سے عرض کی کہ آپ حضرت خواجہ بیکس نواز رح کی بارگاہ میں میری طرف سے عرض کر کے دریافت فرمائیں کہ آیا میں یوم عاشورہ سے قبل برخواست کر دوں یا نہیں ؟ اس وقت آپ مسجد کے حوض پر وضو فرما رہے تھے۔ فرمایا کہ یوم عاشورہ یہیں گزار کر برخواست کیجئے تو بہتر ہوگا۔ پھر میں نے عرض کی کہ آپ حضرت سے عرض کر کے حضرت خواجہ کا حکم بھی حاصل فرمالیں تو بہتر ہوگا تو آپ وضو فرماتے مسکرانے لگے۔ اور فرمایا کہ حضرت کا (یعنی حضرت خواجہ بیکس نواز رح، کا) ارشاد ہو رہا ہے کہ میں آپ سے کہوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے کیا حضرت ہی کا حکم نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں ایسی باتیں کہنے کا عادی نہیں ہوں مگر جب حکم ہوتا ہے تو مجبور ہو کر کہنا پڑتا ہے۔

توکل و استغنا آپ میں توکل کے ساتھ شان استغنا بہت تھی۔ آپ کی آمدنی بہت کم تھی۔ یعنے آپ کے نام صرف دس روپے منصب

اور (۱.۹) روپئے یومیہ جو ماہا حکومت سے منظور ہ تھا۔ اس طرح مجموعی حیثیت سے ماہانہ ۲۸ روپئے تخمیناً آمدنی تھی ہر مہینہ کی چودہ ۱۴ اور انیس ۱۹ تاریخ کو مجلس ہوتی۔ جس میں حاضرین کو کھانا کھلایا جاتا اور سال میں تین اعراس یعنی (ایک ماہ ذیقعدۃ الحرام میں حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہ کا دوسرا ماہ ربیع الثانی میں حضرت پادشاہ میاں صاحب قبلہؒ۔ تیسرا ماہ صفر میں حضرت سید عثمان پادشاہ قبلہؒ کا) ہوتے۔ ان اعراس میں تین روز یعنی صندل چراغاں اور ختم کو عام کھانا ہوتا۔ اور ربیعین میں ختم کے روز یعنے ۱۲ ربیع الاول شریف اور ۱۱ ربیع الثانی شریف مجلس وعظ و زیارت آثار مبارک ہوتی اس میں بھی تمام حاضرین کو کھانا کھلایا جاتا۔ یہ تمام اخراجات آپ اپنی ذات سے تکمیل فرماتے۔ آپ کے پاس مریدین و معتقدین پر نذرانہ وغیرہ کا کوئی لزوم نہ تھا۔ البتہ جو حصول سعادت کی خاطر کچھ پیش کرتے تو اس کو قبول فرماتے۔ بعض دفعہ بعض مریدین نے نذرانہ پیش کیا تو آپ نے استفسار فرمایا کہ یہ کس تقریب میں ہے انھوں نے عرض کیا کہ جی! آج غلام کا جی چاہا اس لئے نذرانہ پیش کیا تو فرمایا دیکھو! شاید تم لوگوں کا خیال

یہ ہے کہ ہمارے مرشد کی آمدنی کم ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ حضرت کی خدمت میں کچھ نذرانہ پیش کیا کریں جس سے مدد ہو۔ اگر یہ خیال ہے تو غلط ہے۔ میرا پروردگار میرے تمام کام عمدگی سے چلا رہا ہے۔ مجھے تمہاری کسی امداد کی ضرورت نہیں ہے۔ روپیہ کی ہر شخص کو ضرورت ہوتی ہے۔ تمہارے پاس رکھو اور اپنے متعلقین کی ضروریات پر اس کو صرف کرو۔ ہر چند وہ اصرار کرتے رہے۔ مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ البتہ بعض دفعہ ایسا ہوا ہے کہ جب آپ نے اس طرح انکار فرمایا تو بعض لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی خدمت میں ہم نذر پیش کرتے ہیں تو ہماری آمدنی میں برکت ہوتی ہے۔ تو اس وقت آپ نے یہ فرما کر کہ اگر تمہارا فائدہ ہوتا ہے تو مضائقہ نہیں قبول فرمایا۔ البتہ اعراس و فواتح میں شرکت کی غرض سے جو لوگ نذر پیش کیا کرتے اس کو کبھی آپ نے مسترد نہیں فرمایا۔

صاحبزادہ میر محمد علی خاں مرحوم حضرت سے بیعت تھے۔ یہ جب جسٹس جج سے رکنیت ہائیکورٹ پر ترقی پائے تو جائزہ حاصل کرنے کے بعد سیدھے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سو روپے نذرانہ

پیش کیا تو دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے۔ عرض کیا کہ جی! میں نے نذر کی تھی کہ اگر ترقی ملے تو میں نذرانہ پیش کروں گا۔ اس لئے یہ اس کی تکمیل ہے۔ مسکرا کر اس کو قبول فرمایا۔ پھر ختم ماہ پر رکنیت کی ماہوار حاصل کرنے کے بعد صاحبزادہ صاحب موصوف پھر حاضر ہوئے پھر ایک سو کا نوٹ نذرانہ میں پیش کیا تو فرمایا یہ کیا ہے۔ عرض کیا کہ جی میں نے نیت کی ہے کہ ہر ماہ ایک سو نذرانہ پیش کروں گا تو فرمایا کہ بابا! آپ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ میری آمدنی کم ہے اس لئے میری امداد کرنا ضروری ہے یہ تصور غلط ہے میرا خدا میرے سب کام کرواتا ہے۔ مجھے کسی کی امداد کی ضرورت نہیں ہے۔ رہنے دو یہ پیسے آپ کے کام آئیں گے۔ مگر صاحبزادہ صاحب پھر مکرر اصرار کرنے لگے کہ میں نے ایسی نیت کی ہے اس کو قبول فرمانا تو فرمایا کہ اچھا اس کو میرے نام سے جمع رکھو جب مجھے ضرورت پڑے گی منگوا لوں گا۔ اس پر صاحبزادہ صاحب کو مزید کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی وہ جمع کرتے رہے۔ مگر حضرت نے پھر کبھی نہیں منگوایا۔ آپ کے پاس ہر قوم و ملت کے لوگ حاضر ہوتے اور اپنی استدعا پیش کرتے تھے۔ ایک مرتبہ راجہ دھرم کرن صدر المہام تعمیرات قدمبوسی

کے لیئے حاضر ہوئے دیر تک آپ سے گفتگو کی۔ جب رخصت ہونے لگے تو دس دس کے نوٹ کا ایک کٹا جس میں ۵۰۰ سے کم نوٹ نہ ہوں گے۔ نذر پیش کی۔ دریافت فرمایا یہ کیا ہے۔ عرض کیا کہ یہ حقیر نذرانہ ہے۔ قبول فرمانا ارشاد فرمایا کہ دیکھو راجہ صاحب اگر ہم سے دوستی رکھنا اور ملنا مقصود ہے تو یہ دھندے نہ ہوں ورنہ ہم آپ سے ملنے سے احتراز کریں گے۔ ہر چند راجہ صاحب نے اصرار کیا مگر آپ نے اس نذر کو قبول نہ فرمایا اور مسترد فرما دیا۔

آپ کے توکل کا یہ عالم تھا کہ ہر طرح کی تکلیف برداشت فرماتے مگر کبھی اپنی کسی ضرورت کا کسی پر اظہار نہ فرماتے آپ کی زندگی کے واقعات پر اکثر حضرات کو حیرت تھی بعض کا خیال یہ تھا کہ شاید آپ کے پاس دست غیب ہے۔ چنانچہ ایک وقت کا عجیب پُر لطف واقعہ ہے۔ آپ اکثر مسجد کے کسی گوشہ میں مشغول وظائف رہا کرتے تھے۔ ایک روز ناشتہ سے فارغ ہو کر حسب عادت مسجد میں تشریف رکھے تھے اتفاق سے اس روز تعطیل تھی ہم سب گھر میں موجود تھے گیارہ بجے کے وقت آپ باہر سے ہنستے ہوئے تشریف لائے فرمایا کہ لوگ عجیب تماشے کرتے ہیں۔ خدا جانے ان کو میرے

متعلق کیا خیال ہے؟ ہمارے دریافت کرنے پر فرمایا کہ میں مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک صاحب جن سے میں واقف نہ تھا آئے اور میرے پیروں پر سر رکھکر رونے لگے۔ میں نے انھیں اٹھایا اور سبب دریافت کیا تو اپنی گھریلو پریشانیوں کا اظہار کرنے لگے۔ اور مجھ سے کہنے لگے کہ آپ وعدہ فرمائیں تو میں عرض کرتا ہوں، میں نے کہا آپ فرمائیے میں آپ کی ممکنہ مدد کروں گا، تو کہا مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ کے پاس دستِ غیب ہے۔ لہذا مجھے سرفراز فرمائیے، اس پر میں ہنسا اور کہا کہ شاید آپ میرے حالات سے واقف نہیں، تو کہنے لگے میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کی بالکل تو کلانہ زندگی ہے۔ اس پر میں نے ان سے کہا سنئے آپ کو صحیح علم نہیں ہے۔ میری گھریلو زندگی کا عالم یہ ہے کہ کبھی تو میرے گھر میں دو روپئے ایک روز کے لئے کافی ہو جاتے ہیں اور کسی روز (۲۰۰) دوسو روپئے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دستِ غیب روزانہ پانچ سے زائد کا نہیں ہوتا۔ اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ بچا کر کچھ نہ رکھیں روز کا روز صرف کر دیا جائے، اگر بچا کر رکھیں تو آمد بند ہو جاتی ہے۔ تو ایسی صورت میں پھر میں دوسو روپئے کس طرح خرچ کر سکتا ہوں۔ میرے پاس دستِ غیب اس طرح کا ہے کہ جس روز مجھے جس وقت ضرورت پڑتی ہے، میرا پروردگار اس قدر

"انتظام فرما دیتا ہے۔ بہر حال مجھے کسی کے پاس دست سوال دراز کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور یہ دست غیب اس طرح ہاتھ آتا ہے کہ اپنی زندگی کو خدا اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق بناؤ اور پھر بھروسہ پورا خدا کی ذات پر رکھو اور ہمیشہ اس کی یاد میں گزارو یہی عمل میں بھی کرتا ہوں۔ اسی طرح آپ بھی عمل کریں۔ تو مجھے یقین ہے کہ آپ کے تمام کام بھی عمر گی سے پورے ہوں گے۔ اور آپ کو کوئی پریشانی نہ ہوگی۔

آپ کی زندگی بالکل اسی طرح تھی ہمارا مشاہدہ بھی یہی ہے کہ جس وقت جس قدر رقم کی ضرورت ہوتی قدرت سے اس کا انتظام ہو جاتا۔ چنانچہ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ میں جب کہ آپ کی شدید علالت چل رہی تھی روزانہ دواؤں اور حکماء کے اخراجات سواری وغیرہ پر کافی صرف ہو رہا تھا۔ اس زمانہ میں ہم نے دیکھا کہ جب رقم ختم ہو جاتی تو مسبب الاسباب اللہ کسی نہ کسی طرح سے رقم کا انتظام ہو جاتا۔ اس زمانہ میں آپ کی جملہ رقم احقر کے پاس ہی رہا کرتی تھی۔ کسی کو لینا دینا مجھ سے متعلق تھا۔ میں نے بار بار اس کا تجربہ کیا ہے۔ اس موقع پر دو واقعات جو گزرے بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ماہ رجب ۱۳۷۲ھ میں جب آپ کی طبیعت ذرا سنبھلی تو حکما کی رائے ہوئی کہ نقل مقام کیا جائے کسی باغ میں چند روز آپ کو رکھا جائے۔ مختلف مقامات

زیر غور آئے۔ مکانات بھی دیکھے گئے۔ بالآخر لال مٹی کے میدان کے پاس صابر گلشن کا انتخاب ہوا جو آپ کے بھلنجے مولانا سید صابر حسینی چشتی؟ کا باغ تھا۔ ماہ شعبان میں وہاں منتقل ہونا طے پایا۔ اس زمانہ میں حضرت کی علالت کی وجہ سے روزانہ پیر بہنوں اور قرابت داروں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ تو آنے والوں میں بعض ایسے بھی ہوتے جو ایک دو روز رہ جاتے ایسی صورت میں ان کے خورد و نوش کا انتظام بھی کرنا ہوتا۔ میرے پاس جو رقم تھی وہ بھی بہت قلیل رہ گئی تھی۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ میں دفتر کی انجمن امداد باہمی میں جو بلا سود کی قرض دیتی ہے شریک ہوں چونکہ یا ہر جا رہے ہیں اور بالعموم نقل مقام کرنے پر مصارف کچھ زیادہ ہی ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اجازت ہو تو میں دو سو روپے مبادلہ لے لیتا ہوں۔ فرمایا اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ انشاء اللہ کچھ نہ کچھ انتظام ہو جائے گا۔ اس پر میں خاموش ہو گیا۔ ایک دو روز بعد پھر وہی معروضہ پیش کیا تو پھر وہی جواب سرفراز ہوا۔ مجھے بہت بے چینی تھی کہ مصارف کا یہ حال ہے رقم قلیل ہے۔ آخر ضرورت پڑ جائے تو وقت پر کسی تکلیف نہ ہو۔ اس زمانہ میں آپ روزانہ چار بجے باہر برآمد ہو کر جو لوگ حاضر ہوتے ان سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ حسب عادت

عصر کے وقت باہر برآمد ہوئے اور مسجد کے پیش میں لیٹ گئے۔
ایک پیر بھائی پیر دبار ہے تھے یں بھی حاضر تھا کہ ایک برادر دینی مولوی حبیب الرحمن صاحب حاضر ہوئے اور ایک بند لفافہ بطور نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے لیٹے لیٹے اس کو اٹھاکر میرے حوالے کیا۔ میں لے لیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھ سے فرمایا کہ اس لفافہ کو کھولو، میں نے سامنے ہی اسے چاک کیا۔ تو سوسو کے دو نوٹ اس میں سے برآمد ہوئے۔ میں نے عرض کی کہ دوسو روپے ہیں۔ اس پر میری جانب مسکراتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تم دوسو روپوں کی ضرورت بتاتے تھے دیکھو قدرت نے انتظام کر دیا ہے۔ اسی طرح صابر گلشن جانے کے کچھ عرصہ بعد وہاں رقم کچھ کم رہ گئی تھی تو اس وقت بھی پھر میں نے عرض کی کہ رقم قریب الختم ہے ابھی تنخواہ دور رہے۔ اگر اجازت ہو تو کچھ رقم کا انتظام کر لیا جاتا ہے تو پھر وہی الفاظ دہرائے کہ خدا کی ذات پر بھروسہ کرو۔

آپ نے کچھ عرصہ ملازمت بھی کی فرماتے تھے شادی کے بعد جب مجھے اولاد ہوئی۔ تو میرے خسر حضرت سید شاہ غلام غوث شطاریؒ کے شاگرد رشید مولوی عثمان خاں مرحوم جو اس زمانہ میں صدر محاسب صرفخاص تھے خسر صاحب سے بطور خود کہنا کہ میاں کی آمدنی کم ہے۔ اگر یہ سلک

ملازمت میں شامل ہو جائیں تو مناسب ہوگا۔ آپ دریافت فرمائیں، اگر وہ آمادہ ہو جائیں تو میرے پاس ان دنوں ایک جائیداد خالی ہے۔ میں انھیں مامور کر لیتا ہوں۔ خسر صاحب قبلہ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا برا ہے اگر آپ اسے قبول کر لیں، میں نے رضامندی ظاہر کی اور مامور کر لیا گیا۔ حسابات کی تنقیح کا کام میرے سپرد ہوا۔ اور عہدہ دار میرے کام سے خوش تھے۔ جس جائیداد پر میرا تقرر ہوا وہ موروثی تھی اور وارث کی عدم موجودگی کی وجہ سے خالی تھی۔ مخفی مبادکہ زمانہ قدیم میں علاقہ صرفخاص کے بیشتر دفاتر میں سررشتہ جات کی جائیدادیں ایسی تھیں جن میں وراثت جاری تھی۔

فرماتے تھے کہ جب بھائی حضرت قبلہ کا وصال ہوا اور مجھے جانشین مقرر کیا گیا تو میں نے ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔ اس زمانہ میں مولوی سید احمد مرحوم صدر محاسب تھے۔ صدر محاسب نے مجھے بلوایا استعفیٰ کے وجوہ دریافت کئے۔ میں نے کہا کہ اب ایسی ذمہ داریاں میرے دوش پر رکھی گئی ہیں جنھیں میں ملازمت کرتے ہوئے سنبھال نہیں سکتا۔ اہل سلسلہ کی خوشی و غمی میں شریک ہونا کوئی بیمار ہو تو عیادت کو جانا۔ اس کی ممکنہ مدد کرنا جیسے کام میں ملازمت کرتے ہوئے کرنا مشکل ہے۔ تو صدر محاسب صاحب نے کہا کہ ایسے مواقع

پر ہم آپ کو بخوشی اجازت دیا کریں گے۔ آپ اپنا استعفیٰ واپس لے لیں۔ میں نے کہا مقررہ سرکاری اوقات کار میں دوسرے کام انجام دینے کو میں پسند نہیں کرتا۔ آپ میرا استعفیٰ منظور فرمالیں۔

بعض دوسرے حضرات نے آپ سے کہا کہ آپ جس جائیداد پر مامور ہیں وہ موروثی ہے۔ اور ماشاءاللہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نرینہ اولاد بھی عطا فرمائی ہے اس لئے آپ اپنی جائیداد اپنے بچے کے نام منتقل کرالیں تو مناسب ہوگا، اس پر آپ نے جواب دیا کہ میرے بچے ابھی چھوٹے ہیں۔ آئندہ ان کے حصہ کا رزق اللہ تعالیٰ انھیں پہنچا دے گا۔ اس طرح آپ نے یک لخت ملازمت سے دستبرداری کرلی۔ حالانکہ اس وقت آپ کی آمدنی پچیس روپئے ماہانہ تھی۔

حضرت خواجہؒ کے ایک مرید سید احمد لاولد تھے۔ آخری عمر میں حضرت کے مکان سے متصل ایک مکان خرید کر فروکش تھے۔ اُن کے ورثاء میں ایک بی بی اور ایک چچا زاد بھائی تھے۔ بھائی سے ان کے تعلقات ٹھیک نہ تھے۔ اس لئے ان کو خیال ہوا کہ کہیں میرے بعد میری زوجہ کو پریشان نہ کریں۔ تو اپنی جائیداد غیر منقولہ جو دو مکانات پر مشتمل تھی پوری حضرت کے نام منتقل کردی اور بی بی کا خیال رکھنے

کی وصیت کردی۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ کے بھائی بھی شرعاً
آپ کے وارث ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ مناسب
سمجھیں تو ان کو بھی کچھ دیدے سکتے ہیں۔ سید احمد کے انتقال کے
بعد آپ نے ان کے بھائی کو طلب فرمایا اور ایک مکان ان
کے حوالے کیا اور دوسرا مکان مرحوم کی زوجہ کو دے دیا۔

ایک اور پیر بھائی مسمی نواب میر معین الدین خاںؒ جن کے
خاندان کے اکثر لوگ حضرت سے بیعت تھے۔ اپنی آبائی جائداد
بعض اہل برادری کے نازیبا سلوک کی وجہ تنگ آکر حضرتؒ
کے نام منتقل کرنا چاہی۔ معین الدین خاں صاحب کو صرف
لڑکیاں تھیں کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ آپ نے ان سے فرمایا
کہ تمھاری جائداد مجھے نہ چاہیئے۔ البتہ تمھارے اس عمل سے
تم کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے تو مجھے عذر نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا
ہی ہوا کہ اس منتقلہ جائداد سے ایک حبہ سیاہ بھی آپ نے
قبول نہ فرمایا۔ اور منتقلی کا عمل بالکل برائے نام رہا۔

شجاعت

آپ بچپن سے بہت جری تھے فرماتے تھے
کہ بچپن میں میرے ہم عمر ساتھی مجھ
سے ڈرتے تھے اور کسی کو میرے خلاف جانے کی جرأت نہ
ہوتی تھی۔ آپ میں ہر چیز کی تحقیق کا مادہ بھی زیادہ تھا۔
فرماتے تھے کہ شباب کا زمانہ تھا۔ گرما کے موسم میں ایک

مرتبہ بعض احباب جمع تھے۔ تقریباً رات کے بارہ بجے تک ہنستے بولتے بیٹھے رہے۔ ایک دوست یوسف حسین نامی شکر گنج میں رہتے تھے۔ آخر تک بیٹھے رہے۔ بارہ بجے بعد یہ بھی اٹھے میں نے ان کو دروازہ تک جاکر رخصت کیا۔ اور دروازہ بند کر کے لوٹ رہا تھا کہ انھوں نے پھر آواز دی۔ میں نے جاکر دروازہ کھولا تو انھوں نے کہا کہ میں نے گھر جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا ہے۔ اور یہیں احاطہ درگاہ شریف میں سوجاتا ہوں۔ میں نے وجہ دریافت کی تو کہا کہ یہ شیطانی وقت ہے۔ بالعموم اس وقت ارواح خبیثہ کا دورہ ہوتا ہے۔ چنانچہ میں یہاں سے نکل کر چار قدم آگے نہ بڑھا تھا کہ یکایک سامنے کی دیوار کے پاس زمین سے معلق آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دیئے۔ میں نے کہا میں بھی دیکھوں گا۔ تو وہ مانع ہوئے اور کہا کہ جائیے آرام فرمائیے۔ مگر میں نے باصرار دروازہ کھولا اور باہر نکل پڑا۔ وہ بھی میرے ساتھ ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ شکر گنج کے راستہ پر ایک دیوار سے متصل آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دیئے۔ انھوں نے کہا یہ دیکھئے میں بھی غور سے دیکھا پھر میں نے قدم آگے بڑھائے کہ قریب جاکر دیکھیں گے۔ وہ ہر چند روکتے رہے مگر میں بڑھتا گیا۔ مجبوراً وہ بھی میرے

ساتھ چلتے رہے۔ اس عرصہ میں دو تین مرتبہ ایسے شعلے دکھائی دیئے۔ جب ہم قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ شعلے کھیرے کی کنڈی سے نکل رہے ہیں۔ اور قریب جاکر دیکھا تو کنڈی گھاس سے بھری ہے۔ غالباً کسی نے گھوڑوں کی تالی ڈال دی تھی۔ اور اس پر کسی نے کوئی جلتی ہوئی کاڑی وغیرہ ڈال دی تھی۔ اور اس کی وجہ سے گھاس جل رہی تھی۔ جب ہوا کا جھونکا آتا ہے تو شعلے بلند ہوتے ہیں۔ اور ہم بیٹھ جاتے ہیں۔ چونکہ گھاس کنڈی کے اندر ہے۔ اس لئے شعلے زمین سے متعلق دکھائی دے رہے تھے۔ اس تحقیق کے بعد یوسف حسین صاحب کو بھی اطمینان ہوا اور وہ گھر چلے گئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ غلط فہمی سے بعض دفعہ ایسے غلط قسم کے تخیلات ذہن نشین ہو جاتے ہیں کہ پھر وہ نکالے نہیں نکل سکتے۔ اس لئے فوری اس کی تحقیق کر لی جائے تو معاملہ ہمیشہ کے لئے صاف ہو جاتا ہے۔

فرماتے تھے کہ حجاز کے پہلے سفر میں جو آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ فرمایا تھا اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔ اور آپ کے چھوٹے بھائی یعنی حضرت سید شاہ محمد باقر حسینی قبلہ کی جو ساتھ تھے ان کی عمر پندرہ سال تھی۔

فرماتے تھے کہ والدہ صاحبہ ہجرت کی نیت سے

مدینہ طیبہ میں مقیم تھیں۔ ہم حج کے لئے مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ
آرہے تھے۔ ہمارا مختصر قافلہ جو صرف چند اونٹوں پر مشتمل
تھا۔ مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ ہمارے قافلہ میں سوائے
میرے اور میرے چھوٹے بھائی کے باقی تمام عورتیں تھیں۔ اور
ہمارے سوا ایک مرد عمر خاں نامی تھے جو زنانی باتیں کرتے
تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بدوؤں کا زور تھا۔ اکثر
بڑے بڑے قافلے لوٹ لیے جاتے تھے۔ ہم نے خدا کی ذات
پر بھروسہ کر کے سفر کا پروگرام مرتب کیا تھا۔ مدینہ طیبہ سے
مکہ معظمہ پہنچنے کے لئے بارہ منزل طے کرنے پڑتے تھے۔ ہر
منزل پر رہائش اور پانی کی سہولتیں نہ ہوتی تھیں۔ ہمارا یہ
مختصر قافلہ جب چلا تو بجائے عام راستہ کے دوسری طرف
سے نکلا۔ دریافت کیا گیا تو بدوؤں نے بتایا کہ یہ قریبی راستہ
ہے۔ دو تین منزل طے کرنے کے بعد ایک ایسے مقام پر
منزل کی گئی۔ جہاں مسافروں کے لئے کوئی سہولت نہ تھی۔
بدوی اونٹوں کو چھوڑ کر ایک پہاڑ پر چلے گئے۔ ہم نے پوچھا
تو کہا کہ یہ منزل ہی ہے۔ چونکہ ہم دونوں بھائی کم عمر تھے
اور عمر خاں جیسے تھے ظاہر تھا۔ اس لئے اماں جان نے خیال
کیا کہ شاید ان بدوؤں کی نیت بخیر نہیں ہے۔ مجھ سے فرمایا
کہ تم لوگ کیا تماشہ دیکھتے ہو۔ رات ہو جانے تو

تو تاریکی میں کچھ سجھائی نہ دے گا۔ اس وقت کیا کر سکو گے۔
جاؤ اور تحقیق کرو، میں نے تو پہلے اماں جان کو تسلی دی کہ آپ
فکر نہ فرمائیں جب تک میں زندہ ہوں آپ کے بال کو دھکا
نہیں پہنچ سکتا۔ پھر میں سیدھے پہاڑ پر چڑھ گیا تو کیا دیکھتا
ہوں کہ تخمیناً تیس چالیس بدوی حلقہ باندھے بیٹھے ہیں اور ان
کے بیچ میں اُن کا سردار ہے۔ جس کی صورت سے وحشت
برس رہی ہے اور جانے کا دور چل رہا ہے۔ میں نے وہاں
پہنچ کر پہلے سلام کیا۔ اس کے بعد اپنے جمال (اونٹ والے)
سے کہا کہ تو نے ہمیں جنگل میں لاکر چھوڑ دیا اور خود یہاں بیٹھا
ہے۔ غالباً تیرا تصور یہ ہے کہ ہم بچے ہیں اور باقی عورتیں ہیں یہ
کیا کر سکتے ہیں۔ تجھے معلوم نہیں ہم سادات سے ہیں۔ اور
ہاشمی خون ہماری رگوں میں ہے۔ اگر تیری نیت میں فتور ہے
تو تو ہی نہیں جتنے یہاں بیٹھے ہیں وہ ایک کر کے آسکتے ہیں میں
سب سے مقابلہ کے لئے تیار ہوں۔ مدینہ طیبہ میں دیرینہ
قیام کی وجہ سے عربی بے تکلف اور مدنی لہجہ میں کہتا تھا۔ جس
کی وجہ سے لوگ مدنی سمجھتے تھے۔ میں نے زور سے اس کے ہاتھ کو
جھٹکا دیا کہ اس پر بدوی نے برافروختہ ہو کر مجھ سے کہا کہ
کس نے کہا کہ یہ منزل نہیں ہے یہ منزل ہی ہے تم دیوانے ہو
مجھے اور غصہ آیا۔ جب میری اس کی گفتگو تیز ہوئی تو سردار

نے مجھے مخاطب کر کے پوچھا تمھیں کیا اعتراض ہے۔ میں نے
نہایت سنجیدگی سے اس کی تفہیم کی۔ اُس نے میری گفتگو سے
متاثر ہو کر دریافت کیا کہ کیا تم مدنی ہو؟ میں نے کہا نہیں
میں ہندی ہوں، اس پر وہ متعجب ہوا اور پوچھا ہند میں کہاں
رہتے ہو، میں نے حیدرآباد کا نام بتایا وہ سرو قد اٹھ کھڑا
ہو گیا اور مجھے گلے لگا لیا اور کہا کہ واقعی تم سادات بنی ہاشم
سے ہو، تمھاری بہادری اور جرأت قابل تحسین ہے۔ اس کے بعد
مجھے بازو بٹھا لیا اور زار دو میں کہنے لگا کہ فکر مت کرو یہ منزل
ہی ہے۔ تمھارا قافلہ قریبی راستہ سے گزر رہا ہے۔ عام منزل
اس پہاڑ کے دوسری جانب ہے۔ پھر اس نے اپنا تعارف
کرایا کہ میں بھی حیدرآبادی ہوں بکمسنی میں اپنے والد کے ساتھ
حج کو آیا تھا کہ راستہ میں والد کا انتقال ہو گیا۔ تو بدوی سردار
نے مجھے آغوش میں لے کر میری پرورش کی۔ اُس کی موت کے
بعد میں ہی بدویوں کا سردار ہو گیا ہوں۔ پھر حیدرآباد کے بعض
محلوں کے نام گنائے میری ہر طرح تشفی کی اور کہا کہ جہاں تک
میرے حدود ہیں آپ بالکل محفوظ رہیں گے۔ رابغ پہ
پہنچنے کے بعد ایک بدوی جمال سے پانی کے سلسلہ میں مجھ سے
تکرار ہو گئی۔ وہ مجھے مارنے پتھر اٹھا یا تو میں لپک کر اس پر گرا
دوسرے جمال بھی وہاں پہنچ گئے اور وہ معاملہ رفع دفع ہو گیا

مگر اب اس منزل پر قافلہ کو چھوڑ کر بدوی انجان ہو گئے۔ ہم جب چلنے کے لئے کہتے تو وہ ٹال مٹول کرتے۔ بالآخر ایک مقامی بدوی نے مجھے بتایا کہ فلاں مقام پر ان کا سردار رہتا ہے آپ اس سے ملئے۔ میں اپنے بھائی کو ساتھ لے کر وہاں پہنچا۔ ہمارے لباس اور زبان سے اس نے ہم کو مدنی سمجھا اور دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔ کیونکہ وہ لوگ اہل مدینہ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ہم سے تمام واقعات سننے کے بعد اس نے جمال کو بلایا اور خوب ڈانٹ ڈپٹ کی اور حکم دیا کہ بلا توقف ان لوگوں کو لے جا کر پہنچا۔ اس کا بڑا اثر ہوا۔ جمال نے فوری اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس طرح یہ کٹھن مسئلہ بھی فضل ایزدی خیر و خوبی سے طے ہوا۔

آداب و حق گوئی

آپ کو آداب و احترام کا بحد خیال رہتا تھا۔ ہمیشہ نصیحت بھی فرماتے رہتے تھے کہ آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔ مشہور مقولہ ہے کہ

"با ادب بانصیب بے ادب بد نصیب"

کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

ادب تاجیست از فضل الہٰی
بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

آپ کے پاس حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت پیران پیر غوث اعظم دستگیرؓ اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے آثار مبارک کی ہر سال مقررہ تواریخ میں زیارت ہوتی۔ اس کے علاوہ بعض پیر بھائی جن کے پاس ایسے آثار ہیں۔ آپ کو لے جاکر آپ کے دست مبارک سے برآمد کرواتے تھے۔ جب کبھی ایسی ضرورت پیش آتی تو غسل کر کے لباس بدل کر تشریف لے جاتے اور قبل برآمدی ہاتھ دھولیا کرتے، بعد برآمدی بھی کسی صاف برتن میں ہاتھ دھوتے۔ اور اس پانی کو نیچے پھینکنے نہیں دیتے۔ بلکہ اکثر خود ہی پی لیا کرتے۔ فرماتے کہ اس میں برکات کے اثرات ہوتے ہیں۔ اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ بیکس نواز کے مزار شریف پر بھی پھول چڑھانے سے قبل بالالتزام ہاتھ دھولیا کرتے۔ کوئی جوتے کو ہاتھ لگا کر اسی ہاتھ سے پھول چڑھانے آتا تو ناراض ہوتے اور فرماتے کہ بزرگوں کے پاس صفائی ستھرائی سے پھول چڑھانا چاہیئے۔

آج کل بالعموم جانمازوں پر مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کا نقش ہوتا ہے۔ ایسی جانمازوں پر نماز پڑھنے سے بھی احتراز فرماتے اور فرمایا کرتے کہ غلطی سے اگر کعبہ شریف یا روضہ اطہر کے نقش پر پیر لگ جائے تو انتہائی گستاخی ہوگی۔ خود کے پاس اگر اس قسم جانمازیں تحفتہً

بھی آتیں تو خود استعمال فرماتے اور نہ کسی کو دیا کرتے بلکہ اٹھا کر محفوظ فرما دیا کرتے۔

حق گوئی کے سلسلہ میں آپ کسی بڑی شخصیت کی بھی پرواہ نہ کرتے۔ اور برابر ٹوک دیا کرتے۔ چنانچہ خود فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں جب کہ میں صدر محاسبی میں کام کیا کرتا تھا ایک دفعہ مولوی سید عثمان خاں مرحوم صدر محاسب صرف خاص حضرت سیدی خواجہ بیکس نواز رح کے مزار شریف پر فاتحہ کے لیئے حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ بیکس نواز رح کی مزار مبارک پر جو کھنڈی ہے پھول چڑھانے والے باہر سے جھک کر پھول چڑھایا کرتے ہیں مولوی عثمان خاں مرحوم نے جو کھنڈی کے اندر قدم رکھ کر پھول چڑھایا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں اس وقت سامنے تھا۔ بلکہ سرہانے کے نعمت خانے میں تھا جب میری نظر پڑی تو طبیعت بے چین ہوگئی فوری باہر نکلا اور ان کو بگڑے ہوئے انداز میں کہا کہ پھول باہر سے چڑھائے جا سکتے تھے۔ بزرگوں کے پاس ادب حاضر ہونا چاہیئے۔ اندر جانے سے مزار شریف کے پڑتلم کو پیر لگتا ہے۔ جو بے ادبی میں داخل ہے۔ اس پر صدر محاسب مرحوم بے حد نادم ہوئے اور اپنی غلطی کی معافی مانگی۔

آپ بے حد حق گو تھے خلاف شریعت عمل سخت ناپسند تھا۔ بالعموم لوگ پاجامہ ٹخنوں سے نیچے تک رکھتے تو آپ دیکھتے

ہی ٹوک دیتے چنانچہ علالت میں ایک ذی وجاہت صاحب آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ مزاج پرسی کی۔ جب وہ اُٹھے تو ان کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکتا دیکھا تو فوری ٹوک دیا اور فرمایا کہ یہ عمل خلاف احکام ہے۔ اسی طرح کی نازیبا حرکت کسی سے دیکھتے تو فوری ٹوک دیا کرتے۔ آپ کے اس عمل کو دیکھکر ایک مرتبہ حضرت ابو النصر قبلہ مدظلہ (جو اس وقت پاکستان میں تشریف فرما ہیں) ارشاد فرمایا کہ یحیٰی بادشاہ میں عمرؓ کا رنگ ہے۔

پابندیٔ شریعت و اتباعِ سنت

آپ شریعت مطہرہ کے سختی کے ساتھ پابند تھے۔ اور اتباع سنت نبوی کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے۔ ہر کھانے کا آغاز و اختتام نمک پر ہوتا۔ سر میں ہمیشہ زلف رکھتے، آرام فرماتے تو سیدھی کروٹ، ہاتھ گال کے نیچے رکھ کر آرام فرماتے۔ ہر جمعہ و عید کو غسل فرماتے، سرمہ لگاتے عمامہ باندھتے، خوشبو ملا کرتے۔ نماز جمعہ کو اول وقت تشریف لے جاتے۔ تہجد کبھی ناغہ نہیں کی۔ حتیٰ کہ شدید علالت کے زمانہ میں بھی تہجد کی نماز ادا کی۔ مسنون روزے بالعموم پابندی سے رکھتے۔ ہمیشہ باوضو رہا کرتے۔ زمانہ علالت

ہیں جب کبھی نہ کر سکتے تو تیمم فرمایا کرتے۔ جب تک منہ میں دانت رہے مسواک پابندی سے استعمال فرماتے رہے۔

تمام مریدوں کو احکام شرع شریف کی سختی سے پابندی کا حکم ہوتا۔ اور حتی الامکان اتباع سنت کی تاکید فرمایا کرتے۔ خلاف شریعت حرکت ناپسند تھی۔ کسی سے ایسی کوئی حرکت سرزد ہوتی تو سخت ناراض ہو جاتے۔

زمانہ قدیم میں شادی بیاہ کے موقع پر بالعموم ذی ثروت اصحاب کے یہاں طوائف کا گانا رکھا جاتا تھا جس کسی دعوت میں اس قسم کے معقولیات کی اطلاع ملتی۔ تو آپ شرکت ہی نہیں فرماتے۔ چنانچہ نواب مصطفیٰ علی خاں نواب رئیسٹ پورہ نے اپنے فرزند لطفی کی شادی میں آپ کو مدعو کیا۔ اور سواری بھیج کر بلوایا۔ جب آپ مکان دعوت پر پہنچے تو اندر سے گانے کی آواز آئی۔ فوراً گاڑی پلٹا کر واپس ہونے لگے۔ نواب صاحب کو اطلاع ملتے ہی وہ طوائف کو برخواست کرا دیئے۔ اور دوڑتے ہوئے آکر عرض کیا۔ حضرت قوالی کا انتظام بھی ہے۔ ناجائز گانا اب نہیں ہوگا تو آپ تشریف لے گئے۔

اسی طرح دلھا کو سہرا باندھنے کو بھی ناپسند فرماتے۔ بسا اوقات بڑی طرح خفا بھی ہوتے اور بعض نے شرکت بھی کی تو منہ سے سہرا پلٹا دیا گیا۔

شادی کے موقع پر دھنگا نے کی رسم کو بھی سخت ناپسند فرمایا اور شدت کے ساتھ اس کی مخالفت فرمائی۔ دھنگانے کا تذکرہ چھڑ گیا ہے تو یہاں اس امر کی وضاحت نامناسب نہ ہوگی کہ یہ رسم اہل ہنود سے آئی ہے۔ اس مذموم رسم سے متعلق ایک ذی علم بزرگ نے قرآن مجید کے سورۂ زمر کے آخری رکوع وسیق الذین کفروا سے بڑا اچھا استدلال کیا ہے کہ اس میں دو گروہوں کا تذکرہ ہے۔ ایک جہنمی جن سے متعلق وضاحت ہے، جہنمی جب جہنم کے دروازے پر لائے جائیں گے تو دروازے کھولے جائیں گے۔ یعنی جہنم کا دروازہ بند رہیگا۔ اور ان کی آمد پر کھولا جائے گا۔ دوسرا گروہ جنتی اصحاب کا ہے۔ جن کے متعلق صراحت ہے کہ جنتی جب پہنچیں گے۔ تو دروازے کھلے رہیں گے دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جیل کا دروازہ ہمیشہ بند رکھا جاتا ہے۔ اور مکانِ دعوت کا دروازہ ہمیشہ مہمانوں کے استقبال کے لئے کھلا رکھا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں آنے والا نوشہ مہمان کی تعریف میں آتا ہے یا ملزم کی؟ جنتی ہے یا جہنمی؟ اس کا تصفیہ خود اہلِ تقریب کو کرنا چاہیئے۔ المختصر یہ مذموم رسم فوری بند کرنے کے قابل ہے۔

شادی کے موقع پر گھوڑے جوڑے کے نام سے جو کثیر رقمی مطالبات ہوتے ہیں۔ آپ نے اس کو بھی سخت

ناپسند فرمایا۔ خود آپ نے جب اپنے صاحبزادگان کی شادیاں کیں تو کسی وقت بھی اس قسم کا کوئی مطالبہ نہیں فرمایا۔

عورتوں کی بے پردگی کو سخت ناپسند فرماتے خود کے پاس زمانہ اعراس یا مجالس میں زنانے کا انتظام جب کیا جاتا تو چلمنوں کو بطور خاص خود ملاحظہ فرماتے کہ کہیں کوئی ایسی چلمن تو نہیں ہے جس سے اندر کے لوگوں کی صورت صاف دکھائی دیتی ہو۔ اگر کبھی کسی عورت کو چلمن ہٹا کر بیٹھی ہوئی ملاحظہ فرماتے تو بے حد خفا ہوتے۔ اسی طرح عورتوں کے نیم عریاں لباس کو بھی سخت ناپسند فرماتے۔

بوقت ملاقات خلاف طریقہ مسنونہ کوئی بجائے السلام علیکم کے آداب بندگی یا قدمبوسی کہتا تو سخت ناراض ہوتے اور فرماتے کہ یہ مہمل بات ہے۔ بلکہ ایسا عمل مسنون طریقہ کو مٹانے کے مترادف ہے۔ جو انتہائی نازیبا بات ہے۔ اسی طرح پیر کو ہاتھ لگانے سے بھی ہمیشہ منع فرمایا۔ اور فرماتے کہ یہ ہنود سے لئے ہوئے رسوم ہیں۔ ان سے احتراز ضروری ہے۔

استقلال و وضعداری

آپ کی طبیعت میں استقلال و وضعداری

بہت تھی۔ جس کام کی بھی ابتداء کی اس کو آخر تک نباہنے کی کوشش فرماتے رہے۔ اور کبھی اس میں رمق برابر فرق نہ آنے دیا۔
آپ کے پاس ہر شب جمعہ کو بردہ شریف اور ہر ماہ ہلالی کے دوسرے دوشنبہ کو قصیدہ غوثیہ ہوتا ہے۔ بردہ شریف تقریباً پچاس سال سے اور قصیدہ غوثیہ تقریباً چالیس سال سے برابر ہو رہا ہے۔ اس عرصہ میں عجیب و غریب واقعات پیش آئے۔ مثلاً طاعون کے زمانہ میں جبکہ پورے شہر میں سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی۔ ہر شخص اپنے گھر سے باہر تھا۔ پڑھنے والے نہ آسکے تو خود اپنے بچوں کو لے کر بالاختصار سہی پڑھا ہے۔ مگر ناغہ ہونے نہ دیا۔ کبھی بیماریوں کا سلسلہ کبھی دوسرے ضروری امور شادی بیاہ وغیرہ کے مواقع آئے۔ لیکن ہر حال میں ہر کام وقت پر انجام پایا۔ ہر سال ماہ رمضان میں آپ کی مسجد میں مصلیوں کے افطار کے لیئے خمیری ٹکیے تیار ہوتے ہیں جس میں سالن بھی بھرا جاتا ہے۔ یہ افطار حضرت سیدی بادشاہ میاں قبلہ قدس سرہٗ العزیز یعنی بانیٔ مسجد کے زمانہ سے مقرر ہے۔ جس کو تقریباً سو سال سے زیادہ مدت گذر چکی۔ راشننگ کے زمانہ میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ گیہوں پر سخت کنٹرول تھا۔ رقم ادا کرنے پر بھی گیہوں کا ملنا دشوار تھا آپ

مختلف اصحاب سے فرماکر ان کے کارڈ سے گیہوں فراہم فرماتے تھے۔ اس سلسلہ میں بعض کو زائد رقم بھی ادا کرنی پڑ رہی تھی۔ میں اور میرے بھائی نے بطور خاص عرض کیا کہ ایسے وقت جب کہ گیہوں کا ملنا دشوار ہے۔ اگر اس انتظام کو برخواست فرما دیا جائے تو کیا حرج ہے۔ تو بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا کہ خدا اور اس کے رسول کے معاملات میں تنگ نظری سے کام نہ لینا چاہئے۔ جیسے بھی یہ فراہم ہو سکیں یہ فراہم کئے جائیں گے۔ اور روزہ داروں کے افطار کا انتظام ہوگا۔ خبردار ان معاملات میں دخل نہ دیا کریں۔

اسی طرح اعراس کے اطعام طعام سے متعلق بھی زمانہ راشننگ میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مختلف ذرائع سے منہ بولی رقم ادا کر کے چاول فراہم کئے جاتے پھر بھی قدم قدم پر مشکلات سے دو چار ہونا پڑ رہا تھا۔ ہم نے باصرار عرض کیا کہ جن درگاہ جات کو بڑے معمول ہیں وہاں اطعام طعام کا انتظام برخواست کر دیا گیا ہے۔ تو ہم کو بھی اب اس انتظام پر نظر ثانی کرنے کی شدید ضرورت ہے تو بیحد ناراض ہو گئے اور فرمایا کہ میں نے بار بار ہدایت کی ہے کہ میرے معاملات میں دخل نہ دیا کرو۔ جو کام جیسے ہوتے ہیں وہ میری زندگی تک ہوتے رہیں گے۔ پھر تفہیم فرمائی کہ اللہ اور

اس کے رسول کے یا بزرگان دین کے معاملات میں جہاں تنگ نظری سے کام لوگے خیر و برکت جاتی رہے گی ۔ اس لئے خبردار ان معاملات میں تنگ نظری سے کام نہ لو' البتہ اپنے ذاتی معاملات میں جس قدر چاہو احتیاط سے کام لو۔

واقعی کسی نے سچ کہا کہ " جیسی نیت ویسی برکت " ہر کام آپ کا خداوند عالم نے آپ کی نیت کے مطابق پورا کیا۔ سخت راشننگ کے زمانہ میں بھی اعراس میں ہر سر روز کھانا ہوتا رہا۔ رمضان شریف میں افطار کا انتظام برابر جاری رہا۔ فطرہ میں برابر گیہوں دیئے جاتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غیبی طاقت اپنا کام کر رہی ہے۔

امراء و عہدہ داروں سے ربط

آپ بالعموم امراء و عہدہ داروں سے ملاقات سے اجتناب فرماتے' سرکاری دعوتوں میں تشریف نہ لے جاتے۔

حالانکہ سرکاری تقاریب میں دوسرے مشائخین کے ساتھ آپ کے نام بھی دعوت نامے آتے تھے۔ حضور نظام آصف سابع کی سلور جوبلی کے موقع پر ہر تقریب کا دعوت نامہ برابر آتا رہا۔ لیکن آپ نے ایک مرتبہ بھی شرکت نہیں فرمائی۔ حالانکہ آپ حضور نظام آصف سابع

کو بے حد چاہتے تھے۔ اُن کے خلاف ایک لفظ بھی سننا بار خاطر تھا۔ آپ کی ان غیر معمولی عنایات کا اتنا چرچہ تھا کہ حیدرآباد میں مشہور تھا کہ عثمان علی خاں کو بھی بادشاہ کی تائید حاصل ہے۔

ایک مرتبہ شہزادگان نواب اعظم جاہ و معظم جاہ کی شادی کے موقع پر جب کہ حضور نظام نے مسجد باغ عامہ میں تمام مشائخین کو مدعو کیا تھا تو بطور خاص دریافت کیا کہ مجھ سے خلوص و محبت رکھنے والے اور کون سے ایسے مشائخین ہیں۔ جن سے میں واقف نہیں ہوں تو پیش کے بعض حضرات نے خاص طور پر آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی سنادیا کہ وہ کہیں جاتے آتے نہیں گوشہ نشین فقراء میں سے ہیں تو حضور نظام نے بطور خاص آغا جانی مرحوم نائب کوتوال کو رقعہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ اس تقریب میں ضرور شرکت فرمائیں۔ شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینیؒ آغا جانی کو ساتھ لے کر تشریف لائے۔ آغا جانی نے حضور نظام کا پیام سناتے ہوئے بہ اصرار تمام خواہش کی آپ اس پرمسرت تقریب میں ضرور شرکت فرمائیں۔ یہ تقریب جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ مقرر تھی۔ یہ بھی عرض کیا گیا کہ سرکاری گاڑی لینے کے لئے آئے گی تو آپ نے فرمایا کہ میں اس شرط

کے ساتھ آتا ہوں کہ میں اپنے روزمرہ کے لباس سے چلوں گا۔ جہاں جی چاہے بیٹھ جاؤں گا۔ مجھے یہاں اور وہاں بیٹھنے پر مجبور نہ کیا جائے، بادشاہ سے ملنے پر اصرار نہ کیا جائے۔ اور نہ دوبارہ پھر اس طرح مجبور نہ کیا جائے۔ عرض کیا گیا کہ یہ تمام شرائط منظور ہیں۔ تو آپ تشریف فرما ہوئے۔ مسجد کے ایک گوشہ میں جاکر تشریف رکھے۔ چونکہ یہ تمام شرائط حضور نظام سے عرض کردیئے گئے تھے۔ اس لئے مولانا بادشاہ حسینی علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ حضور نظام نے مسجد میں آتے ہی اشارہ سے دریافت فرمایا تو عرض کیا گیا کہ آپ تشریف لا چکے ہیں اور فلاں مقام پر رونق افروز ہیں تو جھک جھک کر بہت دیر تک غور سے دیکھتے رہے مگر آپ نے ان کی جانب رخ ہی نہ کیا تو بالآخر جاتے ہوئے دسترخوان پر لے جانے کی ہدایت کی۔ اس طرح اس پرمسرت تقریب میں شرکت ضرور کی مگر ملاقات کا موقع نہ دیا۔

مہاراجہ سرمین السلطنۃ کشن پرشاد صدر اعظم وقت نے متعدد مرتبہ شرف قدمبوسی کا اشتیاق ظاہر کیا۔ مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔ البتہ ایک مرتبہ حضرت شاہ خاموش قبلہ رح کے عرس شریف میں آپ عصر کے بعد تشریف لے گئے دیکھا کہ مہاراجہ چلے آرہے ہیں۔ جیسے ہی مہاراجہ کی آپ پر

نظر پڑی سیدھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آداب بجالایا اور دست بوسی کے لئے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے رومال میں ہاتھ لپیٹ کر ان کو دیا اور فوری واپس ہو گئے۔ اور اس کے بعد پھر کسی وقت مہاراجہ کو ملاقات کا موقع نہ دیا۔

مخفی مباد کہ آپ کے خاندان کے تمام بزرگان دین مہاراجہ سے صاف نہ تھے اور تقریباً سب حضرات نے ان سے ملاقات سے احتراز فرمایا ہے۔ ورنہ یوں تو دوسرے غیر مذہب کے لوگوں سے عام طور پر ملاقات کی ہے۔

سر اکبر حیدری کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ زمانہ صدر المہامی سے لے کر دورِ صدارت عظمیٰ تک متعدد مرتبہ انھوں نے شرف قدمبوسی کا اشتیاق ظاہر کیا لیکن آپ نے ایک مرتبہ بھی اس کی اجازت نہیں دی۔

امرائے عظام میں نواب معین الدولہ مرحوم کو آپ سے بیحد عقیدت تھی انکے گھر کے بعض لوگ آپ سے بیعت بھی تھے نواب مرحوم کو آپ سے کے ربط بڑھنے کا واقعہ یہ ہوا کہ ابتدائی زمانہ میں جب کہ ان کی ایک بی بی محمود محل نامی داخل سلسلہ ہوئیں تو آپ کی دعوت کی اور سواری بھیج کر بلوایا۔ نواب صاحب کو جب آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ہوئی تو خود بھی قدمبوسی کی خواہش ظاہر کی۔ اور آپ ان کی بیگمات سے جب مصروف

گفتگو تھے۔ خود بھی آئے۔ تمام بیگمات نواب صاحب کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر آپ اسکی طرح تشریف فرما رہے اٹھے نہیں، نواب صاحب کو قدرے ناگوار گذرا، قریب آکر سلام عرض کرنے کے بعد ملیح انداز میں عرض کیا کہ حضرت آپ ہم سے بہتر ہیں۔ حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا کہ نواب صاحب میں آپ سے ایک درجہ نہیں ہزار درجہ بہتر ہوں۔ آپ آزاد پیدا ہوئے تھے۔ مگر بعد میں اپنے آپ کو ہزاروں قید و بند میں جکڑ لیا آپ کو ملازمین کا احتیاج ہے۔ سواری کا احتیاج ہے۔ عالیشان محل کا احتیاج ہے۔ برخلاف اس کے میں آزاد پیدا ہوا تھا اور اب تک آزاد ہوں۔ مجھے کسی کا احتیاج نہیں ہے۔ میں اگر چارمینار کی بہنی سڑک پر رومال بچھا کر بیٹھ جاؤں تو میری عزت میں فرق نہ آئے گا۔ بلکہ کچھ اور بڑھ جائے گی۔ برخلاف اس کے آپ سواری چھوڑ کر پیدل چلیں تو ہر طرف سے انگلیاں اٹھیں گی۔ اس گفتگو کا ان پر بیحد اثر ہوا اور کئی مرتبہ حاضر ہونے کی درخواست کی تو فرمایا کہ نواب صاحب آپ میرے پاس آئیں گے تو ہر طرف اس کی شہرت ہو جائے گی۔ اور لوگ مجھے پریشان کریں گے۔ آپ کو محبت ہے، بس ہے۔ جو پوچھنا ہو کسی کے ذریعہ کہلو لیجئے جواب دوں گا۔ میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا کہ نواب مرحوم

کو جب کبھی کچھ عرض کرنا ہوتا تو اپنے مصاحب خاص میر یاور علی خنجر مرحوم کے ذریعہ عرض کرواتے، بعض دفعہ قدمبوسی کے لئے بے چین ہوتے تو باجازت سواری بھیجکر آپ کو زحمت دیتے۔ حیدرآباد کے نوابوں میں نواب معین الدولہ مرحوم ہی ایک تھے۔ جن کے معروضہ پر آپ کئی مرتبہ ان کے پاس تشریف فرما ہوئے۔ اور جب ان کا انتقال ہوا تو میت میں بھی تشریف لے گئے۔

اس مقام پر ایک واقعہ کا اظہار نامناسب نہ ہوگا کہ جگر گوشہ حضور غوث پاک رضی حضرت پیر ابو النصر قبلہ مدظلہ' (جو ان دنوں پاکستان میں رونق افروز ہیں) بیان فرماتے ہیں کہ حضرت برہنہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ کی جانب میرا ایک مرتبہ گزر ہوا۔ جب میں مقبرہ آسمان جاہی پر پہنچا تو خیال ہوا کہ نواب معین الدولہ مرحوم جن کا حال میں انتقال ہوا ہے۔ ان کی قبر پر بھی چل کر فاتحہ پڑھ لوں۔ چنانچہ قبر پر پہنچا اور فاتحہ پڑھی، غور کیا تو نواب کو اچھی حالت میں پایا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ایسا شخص جس کے اعمال انتہائی خراب تھے ایسی اچھی حالت میں کیسے؟ نہیں معلوم کہ کونسا عمل ایسا مقبول ہوا۔ جس پر سرفرازی ہوئی ہے۔ اپنے آپ تو رجوع کیا اور یہ عرض کیا کہ پروردگار تو غفور و رحیم ہے جس کو چاہے بخش

سکتا ہے۔ مگر اس پر اتنا کرم اس کے کس عمل کی بدولت ہوا ہے۔
تو مجھے جواب ملا کہ ہمارے ایک محبوب کی دعاؤں کی وجہ ہم نے
اس پر کرم کیا ہے۔ عرض کیا کہ وہ کونسا محبوب ہے۔ ارشاد ہوا
"یحییٰ بادشاہ" حضرت پیر ابو النصر قبلہ مدظلہ نے بزمانہ قیام حیدرآباد
اس واقعہ کو متعدد اصحاب کے سامنے بیان فرمایا جن کے منجملہ
اس وقت تک کئی اصحاب بقید حیات ہیں۔ جنھوں نے راست
حضرت سے یہ واقعہ سنا ہے۔

سچ ہے محبوبان حق کی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ جیسا کہ
حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ
میری امت میں بعض ایسے بھی لوگ ہوں گے کہ اگر وہ کسی بات
پر اڑ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی بات کو پورا فرمائے گا۔

کیا چیز ہے نسبت کوئی پوچھے میرے جی سے
مرتا ہوں اسی کے لئے جیتا ہوں انہی سے

نواب دین یار جنگ مرحوم کو بھی حضرت سے بے حد
عقیدت تھی۔ کئی مرتبہ آپ کے پاس حاضر بھی ہوئے۔ لیکن
آپ کبھی ان کے پاس تشریف نہیں لے گئے۔ حالانکہ وہ بڑی
خدمات پر رہے۔ بعض حضرات نے سفارش کے لئے مجبور
کیا تو کسی کے ذریعہ اپنا حکم بھیجا اور نواب صاحب نے
حکم کی تعمیل کی۔ مگر پولس ایکشن کے بعد جب وہ حراست

میں لے لئے گئے۔ پھر رہا ہو کر گھر آئے۔ ایک مرتبہ علیل ہو گئے تو آپ ان کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ حالانکہ اس زمانہ میں بھی حکومت کی ان پر نگرانی تھی۔ آنے جانے والوں کے نام بھی نوٹ ہو رہے تھے۔ اس لئے اُن کے قریبی عزیز و احباب بھی ان کے پاس جانے سے احتراز کر رہے تھے۔ جس وقت آپ تشریف لے گئے۔ ڈاکٹر ملکوٹے جو حکومت کی جانب سے نامزد کردہ ان کے معالج تھے۔ موجود تھے۔ اور یہ کانگریس کے خاص آدمی تھے۔ جس کا آپ کو علم تھا۔ چونکہ ڈاکٹر ملکوٹے آپ سے بخوبی واقف تھے اور اس سے قبل کئی مرتبہ آپ سے مل چکے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب ان کا خاص دلچسپی سے علاج کرنا کہ یہ میرے قدیم مخلصین میں سے ہیں۔ آپ کے اس عمل کا نواب دین یار جنگ مرحوم کے قلب پر بے حد اثر ہوا اور بار بار یہ کہتے تھے کہ جس زمانہ میں دنیا کے لوگ اکثر آتے تھے اس وقت حضرت نے کبھی زحمت نہ فرمائی۔ اور جس وقت سبھوں نے چھوڑ دیا اس وقت آپ نے اپنے کرم سے زحمت فرمائی۔

علمی مشاغل آپ کو اپنے وقت کے جید علماء سے استفادہ کا موقعہ ملا تھا۔ اور خود

آپ کے خاندان کے اکثر حضرات علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے۔ اس طرح آپ کو ایک خاص علمی ماحول حاصل تھا۔ جس کی وجہ سے آپ خود بھی نہایت ستھرا علمی ذوق رکھتے تھے۔ آپ کے کتب خانہ میں تفسیر، حدیث، رجال، فقہ، کلام، منطق، تصوف اور شعر و ادب سے متعلق کتابوں کا عمدہ ذخیرہ تھا۔ زیادہ حصہ عربی اور فارسی میں تھوڑا حصہ اردو کتابوں پر مشتمل تھا۔ بعض علمی رسائل جیسے درس القرآن، النور، تفسیر قادری، واعظ، مولوی، القدیر اور نظام المشائخ وغیرہ بھی آپ کے زیر مطالعہ رہتے۔ تصنیف و تالیف کی طرف آپ کی توجہ اور دلچسپی نہ تھی۔ مگر بعض دفعہ اپنے برادر خورد مولانا سید محمد باقر حسینی علیہ الرحمہ کے زیر ادارت شائع ہونے والے رسالے "النور" کے لئے مضامین لکھا کرتے اس طرح آپ کے بعض مضامین مذکورہ پرچہ کی قدیم جلدوں میں مل سکتے ہیں۔ ان کے منجملہ آپ کے مضامین "من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ" "دعا" وغیرہ قابل دید ہیں۔ ہم یہاں آپ کا صرف ایک مضمون "دیدار مصطفیٰ" تبرکاً ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔ جو رسالہ "النور" میں شائع ہوا تھا۔

آخر زمانہ میں آپ نے فرقہ نجدیہ وہابیہ کے بعض

اعتراضات کا مدلل و مختصر جواب دینے کے لئے "نورِ ہدایت" کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی، جس میں ایک مباحثہ کی صورت میں اہلِ سنت والجماعت کے بعض عقائد و اعمال پر وہابیوں کے اعتراضات اور ان کے مدلل جوابات پیش کئے گئے ہیں۔ اس کتاب سے کئی لوگوں کے شکوک و شبہات دور ہوئے۔ اور ان کو تشفی ہوئی۔ بحمد اللہ اب تک اس کتاب کے تین اڈیشن حیدرآباد سے اور ایک اڈیشن کراچی (پاکستان) سے شائع ہو چکے ہیں۔

آپ کو شعر و سخن سے بھی کافی دلچسپی تھی۔ فارسی میں حافظ شیرازی کا کلام بے حد پسند تھا۔ دیوانِ حافظ ہمیشہ آپ کے زیرِ مطالعہ رہتا۔ حافظ صاحب کے علاوہ سعدی شیرازی اور امیر خسرو و دیگر متقدمین کا کلام پسند فرماتے۔ اردو میں فیض علیہ الرحمہ، شاہ خموش رح علوی رح، ہاتف اور بیدم وارثی کے کلام پسند تھے۔ خود شاعر تھے۔ اپنا کلام پہلے اپنے برادرِ بزرگ حضرت عثمان حسینی فائق علیہ الرحمہ کو پھر فصاحت جنگ جلیل رح، ثاقب بدایونی رح کو دکھاتے تھے۔ خود مشاعروں میں شرکت نہ فرماتے تھے البتہ بعض دفعہ اپنے پاس نعتیہ و منقبتیہ مشاعرے منعقد فرمائے جس میں خود بھی آخر تک تشریف رکھتے تھے۔

برادری کے ساتھ حسن سلوک

آپ برادری کا بیحد خیال رکھتے، ہر ایک کی خوشی و غمی میں برابر کے شریک ہوتے اور ممکنہ مدد فرماتے۔ حضرت سید عثمان حسینی قبلہ علیہ الرحمہ کے بعد چونکہ حضرت کی نرینہ اولاد بقید حیات نہ تھی۔ صرف ایک صاحبزادی مسماۃ امۃ المحبوب عرف شہزادی صاحبہ تھیں۔ جو حضرت کے بعد آپ ہی کے زیر پرورش رہیں۔ آپ ان کا بیحد خیال رکھتے تھے۔ اور کبھی کوئی بات ایسی نہ ہونے دیتے۔ جس سے ان کا دل دکھے۔ پھر جب شادی قرار پائی۔ تو بالکل اپنی اولاد کی طرح نہ صرف تقریب کی تکمیل فرمائی، بلکہ اپنے پاس سے کافی زیور اور سامان بھی دیا اور رقم بھی صرف کی۔ شادی کے بعد بھی عام رسم و رواج کے مطابق سلوک رہا۔ بہرحال یہ محسوس ہونے نہ دیا کہ صاحبزادی یتیم ہیں۔

حضرت سید عثمان حسینی قبلہ رح کے بعد آپ کے متروکہ میں ایک مکان، ایک زمین موسومہ محبوب آباد جس کا اب باغ نگر نام ہے۔ اور ایک منصب رقمی -/۱۹ علاقہ صرف خاص تھا۔ باہمی تصفیہ یہ ہوا کہ منصب یہ شکمی صاحبزادی شہزادی بیگم صاحبہ حضرت سید یحیی حسینی قبلہ کے نام

اجراء کیا جائے۔ اور زمین جو مدفن کے لئے ہے۔ حضرت عثمان بادشاہ قبلہ نے خریدی تھی۔ وہ بایں شرط کہ دو بیگہ زمین دفن کے لئے مخصوص رہے گی۔ حضرت فقیر بادشاہ قبلہ کے نام منتقل کی جائے۔ جب حضرت یحییٰ بادشاہ صاحب قبلہ کے نام منصب اجراء ہو رہا تھا۔ تو تحت قاعدہ مقررہ اس منصب سے ۹ روپئے شکمی شہزادی بیگم صاحبہ کے نام تا شادی اجراء کرنے کی تجویز ہوئی۔ اس پر حضرت نے درخواست کی کہ بچی کے نام بھی تا حیات منصب اجراء ہونا چاہیئے۔ مہتمم صاحب خزانہ وقت نے تفہیم کی کہ لڑکیوں کے نام شکمی تا حیات نہیں ہوتی۔ بلکہ تا شادی اجراء ہوتی ہے۔ اگر آپ اس بچی کے نام اجرائی چاہتے ہیں۔ تو علیحدہ درخواست دیجئے تو آپ نے اپنی تنخواہ سے شہزادی بیگم صاحبہ کے نام مستقلاً نو روپئے شکمی علیحدہ اجراء کروادی۔

آپ کے خالو حضرت سید امر اللہ شاہ مرحوم صوبہ برار میں متعلقہ باسم کے صدر قاضی تھے۔ قضاءت کے تحت کافی معاش تھی۔ قاضی موصوف کو نرینہ اولاد نہ تھی انھوں نے اپنے حقیقی نواسہ کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ جس وقت قاضی صاحب موصوف کا انتقال ہوا۔ اس وقت نواسہ کمسن تھے۔ بعض شرانگیز افراد

نے جیساکہ بالعموم ہوتا ہے۔ اپنی شرارتوں سے مشکلات پیدا کردیئے تھے۔ آپ کی خالہ صاحبہ پریشان تھیں تو آپ ان کے ساتھ برار کو تشریف لے گئے۔ اور وہاں عرصہ تک قیام فرماکر مشکلات کو دور کیا۔ اور جس کا معاش اس کے حوالے کر کے واپس ہوئے۔

کبھی برادری میں جھگڑے پیدا ہونے تو برادری کے لوگ آتے اور اپنی پریشانیوں کا اظہار کرتے۔ آپ فریقین کے عذرات سماعت کر کے تصفیہ فرمادیا کرتے۔ بعض خاندان متروکہ وغیرہ کے معاملات میں تو کئی کئی روز آپ نے اپنا وقت صرف کیا اور فریقین کو عدالتی کشاکش سے نجات دلائی۔ برادری کے بعض افراد معاشی مشکلات میں گھر جاتے تو ایسی خاموشی ان کی مدد کرتے کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پاتی۔ اس قسم کے متعدد اصحاب ایسے تھے جن کی خاموش امداد کا علم آپ کے بعد آپ کے گھر والوں کو ہوا۔ آپ کے زمانہ حیات میں کسی کو اس کا علم نہ ہو سکا۔

آپ کے معالجات و توجہ

آپ تعویذ و طشتریاں بھی دیتے تھے۔ مگر یہ شرط مقرر فرمائی تھی کہ برادری، اہل محلہ یا مریدین سے ان کا تعلق ہو۔ عام طور پر صرف ان ہی کا علاج فرماتے

خاص صورتوں میں ان کے سوا بھی تعویذ وغیرہ سرفراز فرماتے ہیں۔ دوسرے سلسلہ کے لوگ اکثر آتے تو ان کو بالعموم تعویذ نہیں دیتے اور فرماتے تھے کہ تم کو اپنے مرشد کے پاس جانا چاہیے۔ البتہ وہ بیان کرتے کہ ہمارے پیر نے خود آپ سے رجوع ہونے کی ہدایت دی ہے تو اس وقت توجہ فرماتے۔ بعض حضرات نے استفسار فرمایا کہ حضرت غیر سلسلہ کے لوگوں کو اس طرح آپ کیوں واپس فرما دیتے ہیں تو فرمایا کہ ہر مرید کو اپنے پیر سے ربط ونسبت رکھنا چاہیے۔ اور یہ اس کے لئے مفید ہے۔ اگر وہ میرے پاس آیا اور میری دعا یا تعویذ سے اس کے کام بنے تو اس کا میرے سے ربط بڑھ جائے گا۔ اور یہ اس کی ترقیوں میں رکاوٹ کا باعث ہوگا۔ میرا کام کسی کی صحیح رہبری کرنا ہے۔ گمراہ کرنا نہیں۔ البتہ ان کے پیر خود بھیجتے ہیں تو وہ کچھ سمجھ کر بھیجے ہوں گے۔ اس لئے اس عمل سے ان کی تنزل کھوئی نہ ہوگی۔

آپ کی دعا وغیرہ سے متعدد مایوس لوگوں کو زمانہ دراز کے بعد اللہ تعالیٰ نے اولاد سے سرفراز فرمایا۔ یعنی بارہ سال سے زیادہ مدت کے بعد بھی اولاد ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پروردگار عالم نے بہت سے مایوس حضرات کو میرے

علاج سے اولاد سے سرفراز فرمایا ہے۔ میں نے بارگاہ رب العزت میں معروضہ کیا ہے کہ میرے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہے۔ اور میرے مزار کے سرہانے ایک ایسا پھل دار درخت ہو کہ جو وہ پھل کھائے، خداوند عالم اسے اولاد عطا فرمائے۔

آپ تعویذ و نقوش صرف وہی استعمال فرماتے تھے جو حضرت خواجہ بکیس نوازؒ کے مرتبہ ہیں۔ اس کے سوا دوسرے نقوش کبھی نہیں دیئے۔

بعض معالجات حیرتناک بھی فرمائے۔ سید خواجہ فخر الدین نامی ایک صاحب غازی بنڈ میں رہتے تھے۔ پرانی وضعداریاں رکھتے تھے۔ ان کی دو لڑکیاں آسیبی اثرات میں مبتلا تھیں۔ یہ حضرت قبلہ کو اپنے گھر لے گئے۔ بچیوں کو دکھایا۔ آپ نے ہر دو کے لئے تعویذ سرفراز فرمائے۔ اور فرمایا کہ طشتریاں پلاؤ طشتریاں برابر پلائی جا رہی تھیں۔ ہر دوسرے تیسرے روز خواجہ فخر الدین صاحب آتے اور کیفیت بیان کرتے۔ متعدد مرتبہ طشتریوں کے نقوش بھی بدلے۔ مگر آرام نہ ہوا۔ اس طرح ایک چھلہ یعنی چالیس روز مکمل ہوئے ختم چھلہ کے بعد جب خواجہ صاحب آئے تو طشتریاں حضرت کے سامنے رکھتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت چالیس روز مکمل ہو چکے۔ اس عرصہ میں کئی مرتبہ آپ تعویذات بھی بدلے۔ مگر آرام کی تا حال کوئی

صورت نظر نہ آئی۔ میں طغرٰیاں لکھوانے تھک گیا۔ آپ بھی لکھتے ہوئے ضرور تھک گئے ہوں گے۔ بچوں کے مقسوم میں شفا نہ ہوگی۔ تو آپ کیا کریں گے۔ اس لئے اب یہ آخری مرتبہ لکھوا رہا ہوں۔ آئندہ آپ کو زحمت نہ دوں گا۔ اس وقت حضرت کچھ کیف میں تھے۔ خواجہ فخر الدین صاحب کی گفتگو سنکر مسکرا دیئے۔ فرمایا کہ خواجہ صاحب آپ تھک گئے ہیں! میں تو نہیں تھکا۔ انھوں نے عرض کیا کہ پیرومرشد بالکل تھک گیا ہوں فرمایا کہ اچھا یہ تعویذات لے جایئے اور ہر دو کے گلے میں باندھ دیجئے۔ اس کے بعد پھر دیکھیں گے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ اس حکم کی بھی تعمیل کر دیتا ہوں۔ چار روز بعد خواجہ صاحب پھر حاضر ہوئے اور حضرت کی قدمبوسی کر کے عرض کیا کہ پیرومرشد! اس کے قبل آپ نے متعدد بڑے بڑے نقوش لکھکر دیئے۔ مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور آخر یہ مختصر تعویذ آپ نے دیا جس کے باندھتے ہی فوراً آرام ہوگیا اور اب کوئی شکایت باقی نہیں رہی تو میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ دیکھوں کیا تعویذ ہے۔ جو اتنے عرصہ تک حضرت نے پھرایا اور ایسا مجرب تعویذ نہیں دیا۔ چنانچہ میں نے بچوں کے گلے سے نکال کر تعویذ کھولا اور دیکھا تو اردو کی ایک عبارت جو نہ قرآن کی کسی

آیت کا ترجمہ تھا نہ کوئی تعویذی نقش۔ اس کو دیکھکر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ یہ کیا معاملہ ہے حضور ہی سے چل کر پوچھیں گے۔ اس لئے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت میری تشفی فرمائیں۔ تو آپ مسکرا دیئے اور فرمایا کہ خواجہ صاحب بعض دفعہ جنون رہتا ہے نہیں معلوم اس جنون میں کیا لکھ دیا ہوں۔ سبحان اللہ۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد

اوست فرزانہ کہ فرزانہ نہ شد

قلعہ محمد نگر میں حضرت کے مریدین کثرت سے تھے۔ ہر مہینہ کی تیرہ تاریخ قلعہ میں مجلس ہوتی تھی۔ جس میں حضرت خود بھی اکثر تشریف لے جاتے تھے۔ زمانہ قدیم میں وہاں افواج تھیں۔ اکثر مریدین فوج میں ملازم تھے۔ صوبیدار میجر محمد وزیر نامی جو حضرت خواجہ بکیس نوازؒ سے بیعت تھے توپ خانہ کے صوبیدار تھے۔ اس زمانہ میں تیرہ کی مجلس انہی کے پاس ہوتی تھی۔ ختم مجلس کے بعد انھوں نے عرض کیا کہ حضرت میرے کمانڈنگ آفیسر جو ہندو ہیں ان کے بچہ پر اثرات ہو گئے ہیں۔ بچہ نوجوان ہے۔ میرے کمانڈنگ آفیسر نے خواہش کی ہے کہ آپ اس بچہ کو ایک نظر ملاحظہ فرمائیں کیونکہ وہ بے حد پریشان ہیں۔

آپ نے جواب دیا کہ صوبیدار صاحب آپ کو معلوم ہے کہ میں عام طور پر غیروں کا علاج نہیں کرتا۔ پھر یہ تو یہ غیر مسلم ہیں۔ ہم کو ان سے کیا تعلق ہے؟ صوبیدار صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے کمانڈنگ آفیسر ہیں۔ حضرت سے بھی ان کو عقیدت ہے۔ اور میرے ساتھ ان کا سلوک بہت اچھا ہے۔ میری خاطر ان کے معروضہ کو قبول فرمائیں تو سرفرازی ہو گی۔ فرمایا جب آپ کو اصرار ہے تو چلیئے۔ فوری آدمی دوڑے کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں۔ کمانڈنگ آفیسر صاحب تو شدت سے منتظر ہی تھے۔ دروازہ کے باہر آکر حضرت کا استقبال کیا۔ اندر کمرے میں تشریف لے گئے۔ جہاں لڑکا کسی کو آنے نہیں دیتا تھا۔ حضرت کا نام سنتے ہی پلنگ پر ادب سے بیٹھ گیا۔ حضرت اس بچہ کو تھوڑی دیر ملاحظہ فرمائے۔ اس کے بعد اس کے باپ سے دریافت کیا کہ آپ کا بچہ کیا ہنو مان کی دیول گیا تھا۔ عرض کیا گیا۔ جی ہاں! وہاں سے واپس ہونے کے بعد سے طبعیت خراب ہے۔"

فرمایا کہ کچھ نہیں وہاں پیشاب کیا۔ جس کی وجہ سے یہ خرابی ہوئی ہے۔ اب ٹھیک ہو جائے گا۔" کمانڈنگ افسر نے عرض کیا حضرت کچھ پڑھ کر دم فرمانا اور تعویذ وغیرہ بھی اگر سرفراز ہو تو مناسب ہوگا فرمایا کہ اب

کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اب اس کے بعد بھی طبعیت خراب ہو تو آنا۔ تب کچھ دیں گے۔ وہاں سے واپسی میں صوبیدار صاحب نے عرض کیا کہ پیر و مرشد معاملہ کیا ہے؟ تو فرمایا کہ میں جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں ہنومان بیٹھا ہوا ہے۔ دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ لڑکا میری دیول میں پیشاب کیا ہے۔ اس لیئے میں اس کو سزا دے رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ لوگ تمھاری پرستش کرتے ہیں۔ مجھے ان کے معاملات سے تو تعلق نہیں لیکن مجھے کھینچ لائے ہیں۔ اور جب ہم آ گئے ہیں تو اب تم کیا کہتے ہو۔ ہنومان نے کہا کہ آپ کا جیسا ارشاد، میں نے کہا کہ اب ختم کر دو ورنہ مجھے پھر توجہ کرنا ہی پڑے گا۔ ہنومان نے کہا کہ آپ کے حکم کی یقیناً تعمیل ہوگی۔ اس لیئے میں نے پڑھ کر دم کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر وہ اپنے وعدے پر قائم نہ رہے تو پھر دیکھیں گے۔ اس لیئے کہہ دیا کہ صبح تک دیکھو پھر مجھے اطلاع کرو۔ کمانڈنگ آفیسر کا بیان ہے کہ حضرت واپس تشریف لے جاتے ہی وہ بچہ بے ہوش ہو کر گرا۔ اس کے بعد جب ہوش میں آیا تو بالکل اچھا تھا۔ دوسرے دن اس کو حضرت کی خدمت میں بے حد مسرت سے لے کر حاضر ہوئے۔ اور اس تاریخ سے بالکل اچھا ہو گیا۔

نواب عظام الدولہ مرحوم کی نواسی محل نواب سراج الدین خاں صاحب حضرت سے بیعت تھے۔ ایک دفعہ ان کو شدت سے بخار تھا۔ قطب النساء بیگم محل نواب عظام الدولہ مرحوم نے سواری بھیج کر حضرت کو بلوایا اور کیفیت عرض کی آپ نے ایک تعویذ مرحمت فرما کر فرمایا کہ اس کو باندھ دیں۔ انشاء اللہ آرام ہو جائے گا۔ چنانچہ تعویذ باندھتے ہی فوراً کم ہو گیا۔ قطب النساء بیگم مرحومہ بے حد خوش عقیدہ تھیں۔ بلدہ کے اکثر مشائخ ان کے پاس آتے جاتے تھے دوسرے یا تیسرے روز سنا کہ کوئی صاحب تشریف لائے اور بچی کی کیفیت ان سے بھی کہی گئی تو انھوں نے بھی ایک تعویذ دیا۔ جیسے ہی وہ تعویذ باندھا گیا بچی کی حالت بگڑ گئی۔ پریشان ہو کر حضرت کے پاس پھر سواری بھیجی۔ جب آپ تشریف لے گئے۔ تو بچی کے پہنچے پر ایک اور تعویذ دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ فلاں صاحب نے یہ تعویذ دیا ہے تو فرمایا کہ میرے پاس کے تعویذ پر دوسرا تعویذ اگر باندھا جائے تو بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ آپ نے یہ پریشانی اپنے ہاتھوں سے لائی ہے۔ اس لئے میں کیا کر سکتا ہوں۔ بیگم صاحبہ نے عرض کیا کہ مجھے اس بات کی خبر نہ تھی میں ابھی کھول دیتی ہوں۔ چنانچہ تعویذ نکالا گیا اور بچی کی طبیعت پھر سنبھل گئی۔

مخفی مبارک حضرت کے پاس کے تعویذات کی یہ خصوصیت ہے کہ ان پر کوئی دوسرا تعویذ باندھا جائے تو بالعموم فائدہ کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تعویذ اور نقش ضرور اثر رکھتے ہیں مگر سب سے زیادہ تعویذ دینے والے کا فیض کام کرتا ہے۔ اور جہاں توجہ دوسری جانب مبذول ہو جائے تو فیضان رک جاتا ہے۔

مریدین اور اہل محلہ کیساتھ سلوک

آپ اہل محلہ کا بھی بے حد خیال رکھتے تھے۔ ان کے دکھ درد میں ان کا ساتھ دیتے۔ مشکلات میں کام آتے اور ممکنہ مدد کرتے۔

مریدین کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک تھا۔ نہ صرف ان کی خوشی اور غمی کے مواقع پر شرکت فرماتے۔ بلکہ ان کی مدد فرماتے۔ ان کے لئے تعویذ اور طشتریاں دیتے دعائیں فرماتے۔ ایک مرتبہ غوث خاں نامی ایک پیر بھائی علیل ہو گئے۔ علالت کی اطلاع سنکر آپ تشریف لے گئے۔ ان پر دم فرمائے اور تعویذ بھی عطا کئے۔ دوسرے دن کیفیت سے مطلع کرنے کی ہدایت دی۔ چنانچہ اطلاع ملی کہ مزاج خیریت سے ہے۔ تو فرمایا کہ طبیعت سنبھلنے تک روز مجھے مطلع کرتے رہنا۔

دو تین روز بعد ایک دن خود آپ کو بخار آگیا۔ دوسرے روز اطلاع ملی کہ غوث خاں صاحب کی طبیعت پھر خراب ہوگئی ہے تو فرمایا کہ کل بخار کی وجہ سے میرا پڑھنا برابر نہیں ہوا' اس لئے ایسا ہو رہا ہے۔' اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت کی توجہ کی وجہ سے ان کی طبیعت سنبھلی تھی! چنانچہ پھر اس کے بعد ان کی طبیعت سنبھل گئی۔

صاحبزادہ میر انتظام علی خان صاحب نبیرۂ نواب صمصام الملک مرحوم بیان کرتے تھے۔ پولیس ایکشن کے بعد میں چند روز قاضی پورہ ہی میں مکان کرایہ سے لیکر ٹھہرا ہوا تھا۔ اس زمانہ میں میری بڑی لڑکی کی مزاج ناساز تھی علاج جاری تھا۔ مگر فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔ ایک روز رات میں طبیعت بے حد خراب ہوگئی۔ چنانچہ وہ بے ہوش ہوگئیں۔ میں پریشان ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور مکان چلنے کی زحمت دی۔ آپ میرے مکان کو تشریف لائے۔ بچی کو ملاحظہ فرمایا۔ اور پڑھ کر دم کیا۔ پریشانی کے عالم میں مجھے کچھ سمجھائی نہیں دیا اور میں نے رات تمام قاضی پورہ میں درگاہ شریف کے احاطہ میں بسر کی۔ پچھلی رات کو باہر تشریف لائے مجھے دیکھکر فرمایا کہ (بادشاہ! (حضرت اسی نام سے موصوف کو یاد فرماتے تھے) بچی کا مزاج کیسا ہے۔ میں نے عرض کی

کہ میں رات بھر سویا نہیں۔ مجھے معلوم نہیں، فرمایا جاؤ اب طبیعت سنبھل گئی ہوگی۔ میں فوراً گھر پہنچا تو دیکھا کہ بچی کو ہوش آگیا ہے۔ اور بستر پر اٹھ کر بیٹھی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی مجھ سے پانی طلب کیا۔ میں اس کو پانی پلا کر مسرت سے واپس ہوا اور آپ سے کیفیت عرض کی تو فرمایا کہ آج آپ کی بچی کی خاطر رات بھر دعائیں مانگتا رہا ہوں۔

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ ان ہی صاحبزادہ صاحب سے مروی ہے کہ ان کی دوسری بچی کو چیچک نکلی تھی طبیعت بے حد خراب تھی۔ اس زمانہ میں میں علی آباد میں رہتا تھا۔ آپ کے پاس بچی کی کیفیت عرض کروایا اور گاڑی بھیجی تو آپ تشریف فرما ہوئے اور بچی کو دم فرما کر واپس ہوئے۔ دوسرے روز میں حاضر ہوا تو کیفیت دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ اب آرام ہے تو فرمایا کہ بادشاہ آپ تو رات بھر سوتے ہوئے گزارے ہوں گے لیکن ہم آپ کی بچی کی خاطر رات بھر دعائیں مانگتے رہے۔

بعض مریدین کی سخت علالت پر آپ نے نہ صرف خود دعائیں فرمائیں بلکہ ضرورت محسوس کی تو ان کو معلوم کئے بغیر ختم بھی پڑھوائے۔ ایک مرتبہ میر یاور علی خنجر مرحوم سخت

علیل ہو گئے تھے۔ حکیم محمود علی مرحوم ناظم طبابت یونانی کا جن سے خنجر مرحوم کے خصوصی تعلقات تھے۔ علاج جاری تھا کہ حکیم صاحب پوری توجہ سے علاج کر رہے تھے۔ مگر طبعیت سنبھلتی نظر نہیں آرہی تھی۔ بالآخر آپ کے پاس عرض کروایا۔ آپ تشریف لے گئے، دیکھا اور فرمایا کہ اب سب علاج چھوڑ دو، فقط ہماری طشتریاں پیو، عرض کیا جو حکم ہو جائے تعمیل ہو گی۔ چنانچہ طشتریاں شروع ہوئیں۔ دوا موقوف کر دی گئی۔ طبعیت سنبھلنی گئی۔ چونکہ حکیم صاحب کو خنجر مرحوم سے خصوصی تعلق تھا اس لئے دوائیں وہ خود اپنے آدمی کے ذریعہ بھجوا رہے تھے۔ اور خنجر مرحوم نے حکیم صاحب کو موقوفی علاج کی اطلاع اس لئے نہیں دی کہ شائد اس سے ان کو رنج ہو گا۔ دوائیں برابر آ رہی تھیں مگر استعمال نہیں کی جا رہی تھیں۔ دو چار روز بعد ایک روز حکیم صاحب خود آ گئے۔ اور دیکھا کہ تمام دوائیں جوں کی توں رکھی ہوئی ہیں۔ دریافت کیا تو مجبوراً تمام واقعہ سنا دیا گیا۔ اور کہہ دیا گیا کہ حضرت نے حکم دیا ہے کہ تمام دوائیں بند کر دی۔ تو حکیم صاحب نے حیرت سے بار بار دریافت کیا کہ اب آپ صرف طشتریوں پر ہیں۔ جواب دیا گیا ہاں! صرف طشتریاں پی رہا ہوں۔ اس کے سوا کوئی دوا نہیں تو کہا کہ یہ بزرگوں کے تصرفات

ہیں۔ اس کے چند روز بعد آپ نے خنجر مرحوم کو حکم دیا کہ وہ قاضی پورہ میں آجائیں۔ چنانچہ وہ قاضی پورہ آ گئے۔ کئی روز آپ نے ان کو اپنے پاس رکھا۔ خورد و نوش کا انتظام بھی اپنے پاس ہی سے فرما دیا تھا۔ چنانچہ خنجر مرحوم آپ کی توجہات کی بدولت بالکل صحت یاب ہو گئے۔

بعض مریدین معاشی مشکلات سے دوچار ہوکر آپ کے پاس آتے اور اپنی دکھ بھری داستان سناتے تو آپ بے حد متاثر ہوتے اور ممکنہ مدد فرماتے۔ متعدد ایسے ضعیف اور معذور تھے جن کے ساتھ آپ کا ماہانہ سلوک جاری تھا۔ بعض شریف گھر کے لوگ معاشی مشکلات میں گھر گئے۔ اور شرافت ذاتی دست سوال کرنے سے مانع تھی۔ اس کی اطلاع آپ کو جب ہوئی تو آپ خود ان کے گھر پر امداد بھیج دیا کرتے تھے۔ اور یہ تمام سلوک ایسے خاموش طریقہ پر ہوتا کہ کسی کو خبر نہ ہوتی۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ اپنے گھر والوں کو بھی اس کی خبر نہ ہونے دیتے۔ بسا اوقات اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات پر بھی ان کی ضرورت کو ترجیح دی۔ مریدین کے ساتھ تعلق خاطر کا یہ عالم تھا۔ جیسا کہ ایک شفیق باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ کے ایک مرید سید نامی قلعہ میں رہتے تھے مرض طاعون میں مبتلا

ہوئے ہر مہینہ کی چودہ تاریخ آپ کے پاس مجلس ہوتی ہے۔ جس میں قلعہ کے بھی پیر بھائی آتے ہیں۔ حسب عادت بعد نماز عصر مجلس شروع ہوئی۔ آپ مجلس میں تشریف رکھے۔ مگر بے حد خاموش جیسے کوئی فکر میں رہتا ہے۔ مغرب کی اذاں ہوئی نماز کے لئے وقفہ دیا گیا۔ بعض قلعہ کے مریدین سے تو سعد کی کیفیت دریافت کی جواب ملا کہ ہم ان کے پاس نہیں گئے۔ تو خفا ہوئے کہ ایک ہی مقام پر رہتے ہیں مگر اپنے بھائی کی خبر نہیں لیتے۔ پھر فرمایا آج عرصے سے مجھے بار بار سعد کا خیال آرہا ہے۔ اور طبیعت اس قدر بے چین ہے کہ موقع ملے تو ابھی چلا جاؤں۔ بعد مغرب پھر مجلس شروع ہوئی۔ مگر اب ویسے مضطرب نہ تھے ختم مجلس پر قلعہ سے اطلاع آئی کہ قبل مغرب سعد کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یعنی سعد ادھر مرشد کے خیال میں تڑپ رہے تھے۔ بقول شخصے ع

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

سعد کو جب دائمی سکون ہوگیا تو آپ کی بے چینی بھی ختم ہوگئی۔ کاش خداوند عالم ہر مرید کو اپنے پیر سے ایسا ربط نصیب کرے کہ اپنی بے قراری

میں بمصداق اس کے کہ ع

جو بے قرار نہ کر دوں تو بے قرار نہیں

مضطرب کر کے چھوڑ دے گیا ان کی توجہ ہونے کے بعد مشکل حل نہیں ہوگی۔

ام معظم مولانا شاہ عبدالغفور صدیقی مرحوم المعروف بڑے حضرت جو آپ کے حقیقی پھوپی زاد بھائی کے صاحبزادے ہیں بیان فرماتے ہیں کہ میرے حقیقی سارڈو نواب محمد انوار الدین خان مرحوم پیٹ کے درد سے علیل تھے، درد اس قدر شدت کا اٹھتا تھا کہ بے چین ہو کر تڑپنے لگتے تھے۔ متعدد علاج کئے مگر فائدہ کی صورت نظر نہ آئی بقول شخصے ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

بالآخر مجھ سے خواہش کی گئی میں حضرت کو بلالاؤں میں حاضر ہو کر عرض کیا تو اچھا فرما کر ساتھ ہوئے۔ مریض کو دیکھا کیفیت سنی، کچھ پڑھ کر دم بھی کیا اور طشتریاں لکھ کر دینے کا وعدہ فرمایا۔ طشتریاں شروع ہوئیں قدرے آرام ہوتا جارہا تھا۔ مگر ان کے عزیزوں سے ایک صاحب روزانہ ان پر خود کچھ پڑھ کر دم کرنے لگے۔ تکلیف پھر زیادہ ہوئی تو حضرت کو پھر زحمت دی گئی۔ آپ جس وقت تشریف لائے اس وقت وہ صاحب دم کر رہے تھے۔ جیسے ہی آپ نے ملاحظہ فرمایا

ان کی جانب پلٹ کر فرمایا کہ بڈھے حضرت یہ کیا ہورہا ہے. تو میں نے عرض کیا کہ چچا حضرت یہ بطور خود آکر دم کیا کرتے ہیں. فرمایا کہ اب میں اپنے قدم کو بیچ سے ہٹا لیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہے وہ ہوگا. چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ مرض بڑھتا گیا اور آخر جان بحق ہوگئی۔

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بزرگان دین کے معاملات میں بیچ میں دخل دینا کچھ مفید نہیں ہوتا بلکہ مضر ثابت ہوتا ہے. یوں تو صحیح ہے کہ کل امر مرھون باوقاتھا ہر ایک کام کا وقت مقرر ہے۔ اور "لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون" ارشاد باری ہے. مگر اس کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ جب وقت آتا ہے تو تدبیر بھی الٹی سوجھتی ہے جیسے مشہور ہے کہ

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود

حضرت کے ایک مرید عنایت اللہ خاں صاحب پولس کے امین تھے۔ ان کی بیوی کو دردزہ ہو رہے تھے. ڈاکٹر شاہ نابائی کے ہاسپٹل میں رجوع کر دیا گیا. بغیر آپریشن کے زچگی ہونا ناممکن بتلایا گیا۔ یہ دوڑے اور سیدھے حضرت کے پاس پہنچے موٹر لے کر آئے تھے. آنکھوں میں آنسو کھیل رہے تھے. حضرت نے ان کی پریشانی دیکھکر تبسم فرمایا اور فرمایا کہ اوبچے

پورے آدمی ہو، مگر اس قدر کمزور اتنے پریشان ہو، واقعہ بیان کیا گیا تو ان کے ساتھ دواخانہ تشریف لے گئے۔ جب وارڈ میں پہنچے تو مریضہ پلنگ پر تھی۔ آپ تھوڑی دیر تشریف رکھے اور کچھ دم فرمایا، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ ابھی زچگی نہیں ہو گی کچھ عرصہ درکار ہے اس لئے مریضہ کو تھیٹر سے وارڈ میں لاکر رکھا گیا ہے اور ڈاکٹر باہر گئے ہوئے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ پریشانی کی بات نہیں، خدا نے چاہا تو دس منٹ کے اندر زچگی ہو جائیگی یہ فرماکر باہر نکلے اور ڈاکٹر کے روم میں تشریف رکھے۔ اور ادھر درد بڑھنے گئے۔ فوری نرس کو بلوایا گیا اور دس منٹ کے اندر بغیر آپریشن کے زچگی ہوگئی چند منٹ بعد ہی ڈاکٹر واپس ہوئے۔ اور دریافت کئے تو سارا واقعہ سنا دیا گیا جس سے ڈاکٹر بے حد متاثر ہوئے اور حضرت کے پاس آکر کہنے لگے کہ بیشک آپ بڑے بزرگ ہیں۔ قسمت سے آپ میرے دواخانہ کو تشریف لائے ہیں۔ تو میرے پاس کے تمام مریضوں کو دم فرمائیے۔ تاکہ سب صحتیاب ہوں۔

سید غلام دستگیر مرحوم سشن جج اور ان کی بیوی ہر دو حضرت سے بیعت تھے۔ ان کا لڑکا جس کی عمر سال ڈیڑھ

سال ہوگئی بدلی کی شکایت میں مبتلا ہوا۔ شدت سے دورے پڑ رہے تھے۔ ڈاکٹر ملکوٹے (جو بعد میں وزیر اور رکن پارلیمنٹ بھی ہوئے) علاج جاری تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے مایوسی کا اظہار کیا تو پریشان ہو کر رات کے ڈھائی بجے موٹر لیے پہنچے اور رونا شروع کیا۔ آپ ان کے ساتھ تشریف لے گئے اور بچہ کو دیکھا۔ ڈاکٹر بھی موجود تھے۔ ان سے کیفیت پوچھی، اس کے بعد کچھ پڑھ کر دم کیا۔ اور ماں باپ کو اطمینان دلایا کہ خدا چاہے تو صبح تک آرام ہوگیا۔ اور بچہ کو آرام ہونے تک یہیں ٹھہرا رہوں گا۔ صبح واپس جاؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب بھی اس گفتگو سے متحیر تھے کہ بچہ کی حالت ایسی نازک ہے اور آپ یہ فرما رہے ہیں۔ خیر آپ ٹھیرے رہے اور کچھ پڑھ کر دم فرماتے رہے۔ واقعی ایک آدھ گھنٹے کے بعد بچہ کو ہوش آگیا۔ طبعیت سنبھل گئی، ماں باپ خوش ہو کر آدمی کو دوڑائے اور ناشتہ کا انتظام کیا۔ چنانچہ آپ نے ماں باپ اور ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہی ناشتہ تناول فرمایا۔ بعد ناشتہ ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ سب کچھ آپ کا تصرف ہے۔ ورنہ میں تو بالکل مایوس ہو گیا تھا۔

ایک عجیب و غریب علاج ایک برہمن کا آپ نے

خیال کی بلقیس عرض کیا کہ اگر آپ کا یہی حکم ہے تو مجھے منظور ہے اسی طرح کہتی ہوں، چنانچہ ایسا ہی کیا اور شوہر بیوی کی اس گفتگو سنکر بے حد متعجب ہوا اور بار بار دریافت کرتا رہا کہ کیا تم یہ دل سے کہہ رہی ہو، کہا کہ جی ہاں! اگر فرمائیں تو عقد کا انتظام میں خود کرتی ہوں۔ اور آپ اپنے جتنے احباب کو بلالیں ان سب کے کھانے پینے کا انتظام بھی کر دیتی ہوں۔ شوہر نے انتہائی مسرت سے کہا کہ بہتر ہے کہ کل ہی یہ کام ہو۔ اور اس میں میرے اتنے احباب شریک رہیں گے۔ بی بی نے دل پر پتھر رکھ کر دعوت کا پورا انتظام کیا قاضی صاحب آئے عقد کی تکمیل ہوئی۔ احباب کا کھانا ہوا۔ مجلس کے برخواست کے بعد بی بی نے اپنی نئی سوکن سے کہا کہ اب ہم اور تم آپس میں بہن بنکر مل جل کر رہیں گے۔ اور ایک دوسرے سے دونوں ہی گلے ملے اور معاملہ رفت وگذشت، عقد ہوکر چار روز گزرے تھے کہ کسی بات پر نئی بی بی سے شوہر کی تیز تیز ہوگئی۔ اور تلخی اتنی بڑھی کہ توڑا جوڑی کی نوبت آگئی۔ اور غصہ کے عالم میں شوہر صاحب نے نئی بی بی کو طلاق دیدی مہر کی رقم ان کے حوالے کر کے کہا کہ اسی وقت میرے گھر سے چلی جا۔

بڑی بی بی نے جو آپ کے حکم کی تعمیل میں اس قدر ہمت

سے کام کیا تھا حیران ہوئیں. اور دوسرے روز دوڑتی ہوئی پہنچیں. تمام واقعہ سنایا اور عرض کیا کہ پیرومرشد کیا ماجرا تھا تو فرمایا کہ کچھ نہیں حرام فعل جب ہوتا ہے تو شیطان ساتھ رہتا ہے. اور شیطان کی محبت کی وجہ بُری بات بھی بُری معلوم نہیں ہوتی. جب خدا اور اس کے رسول کی تعمیل ہوگئی تو شیطان درمیان سے ہٹ گیا. اب بھلی بُری تمیز ہونے لگی. جیسے ہی وہ عورت اپنے اصلی روپ میں اس کے سامنے آگئی اس کا دل اتر گیا.

بہر حال بزرگان دین کے ارشادات ہماری عقل سے باہر ہوتے ہیں. وہ جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ کسی کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے. جس کو ہماری عقل نارسا نہیں پہنچ سکتی. جس کی باتیں سمجھ میں نہ آسکتی ہوں اس کی ذات کس طرح سمجھ میں آسکتی ہے.

طاعون کے زمانہ میں مریدین میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو آپ تشریف لے جاتے، عیادت کرتے انتقال کی اطلاع ملتی تو برابر شرکت فرماتے. چنانچہ آپ کے رضاعی بھائی مسمی شیخ دادے صاحب کا انتقال طاعون سے ہوا. آپ کی انا مسماۃ بانو بی نے جو آپ کے گھر ہی میں رہتی تھیں اطلاع پاکر رونے لگیں اور آپ سے

غسل وغیرہ سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تم فکر نہ کرو۔ چنانچہ میت کو آپ کے پاس ہی باہر کے حصہ میں لا لیا گیا۔ چنانچہ غسل وغیرہ میں نہ صرف آپ شریک ہوئے بلکہ بچوں کو بھی ساتھ رکھا۔

اسی طرح ایک پیر بھائی یوسف حسین نامی کے انتقال کی اطلاع ملی ان کا بھی دواخانہ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس زمانہ میں بیرون شہر کسی کا انتقال ہو جائے تو اندرون شہر میت لانے پولس سے اجازت لینی پڑتی تھی اس لئے میت کو بیرون شہر ایک مسجد میں لایا گیا۔ غسل اور کفن کی سب آپ نے اپنے سامنے تکمیل کروائی۔ اور آپ کے صاحبزادے بھی آپ کے ساتھ تھے۔

ایک مرتبہ طاعون کے زمانہ میں آپ تالاب میر عالم پر جاکر قیام پذیر تھے۔ ایک پیر بھائی مسمی عبد الباسط جو شکر گنج میں رہتے تھے ان کے انتقال کی اطلاع ملی۔ جمعہ کا روز تھا آپ وہاں سے اپنے بچوں کو ساتھ لئے شکر گنج تشریف لائے اور اپنے سامنے غسل دلوایا۔ اس کے بعد مسجد چوک کو جنازہ لے جایا جا رہا تھا۔ جنازہ کو اٹھانے والے نہ ملے تو آپ خود اور آپ کے ساتھ آپ کے بچے جنازہ اٹھائے ہوئے مسجد چوک پہنچے، وہاں سے مدفن کو

جنازہ روانہ ہوا۔
مذکورالصدر واقعات سے ہی صاحب اولاد حضرات اپنے دل پر ہاتھ رکھکر غور کریں کہ اپنی اولاد کو ساتھ لے کر ایسے نازک مواقع پر کبھی کسی کے ساتھ ہمدردی کیا ممکن ہے؟
جناب شمشیر خاں صاحب انسپکٹر کوتوالی بیان کرتے ہیں۔ ابتدائی زمانہ میں جب کہ مجھے صرف پینسٹھ ۶۵ روپئے ماہوار ملتی تھی۔ معاشی مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ بچوں کی علالت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ایک مرتبہ حضرت کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا تو آپ حوض پر وضو فرما رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ کیوں تم پریشان ہو؟ مجھ سے کہا کیوں نہیں؟ میں جی کہہ کر خاموش ہوگیا۔ فرمایا شیطانی اثرات ہیں تعویذ لے جاؤ اللہ کا کرم ہو جائے گا۔ چنانچہ میرے متعلقین کے لئے ایک تعویذ سرفراز ہوا۔ اس روز سے تمام پریشانیاں دور ہوگئیں۔ ترقی شروع ہوئی اور حالت بہتر ہوگئی۔ حضرت کا وصال ہونے کے ایک عرصہ بعد میری بیوی کی سسرال میں زچگی ہوئی۔ زچگی کے چار پانچ روز بعد ایک مرتبہ ایک خانگی معاملہ میں سسرال والوں سے تکرار ہوگئی۔ رات کا وقت تھا۔ میں غصہ کی حالت میں اپنی بی بی کو جو زچہ تھی۔ بچوں کے ساتھ گھر لالیا۔ میرے

گھر پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد میری ساس اور سسر گھر پہنچے اور واپس گھر چلنے پر مجبور کیا تو میں نے اپنی بی بی اور بچوں کو جانے کی اجازت دیدی۔ مجھے بھی ساتھ چلنے پر مجبور کیا گیا تو کہا کہ آپ جایئے میں بعد میں موٹر سیکل پر آتا ہوں۔ چنانچہ وہ لوگ روانہ ہوئے اور تھوڑی دیر بعد میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ میری بی بی کو جاڑا آگیا۔ خیال ہوا کہ شاید ہرج سے آیا ہو۔ مگر اس کے تھوڑی دیر بعد آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ اور مردانہ آواز میں عجیب انداز کی گفتگو شروع کر دی تمام گھر پریشان ہوگیا۔ مجھے اس کا بیحد اثر ہوا اور خیال کیا کہ حضرت کے غلاموں کے پاس یہ شیطانی اثرات کیسے ہ؟ اس کے ساتھ ہی وضو کیا اور حضرت کی جانب توجہ کر کے آپ کا اسم مبارک پڑھنے لگا اور دم کیا۔ اس کے ساتھ ہی میری بی بی منڈی ڈال دی۔ تھوڑی دیر بعد ہوش آگیا۔ جب دریافت کیا گیا تو ان تمام باتوں سے لاعلمی ظاہر کی۔ میرے خسر صاحب کے مکان کے قریب ایک عامل صاحب رہتے تھے۔ وہ فوری ان کے پاس دوڑے اور ان کو بلا کر لایا عامل صاحب نے دیکھکر کہا کہ کچھ اثرات ہوگئے تھے مگر اب نہیں ہیں اور وہ بھی کچھ پانی پر دم کر کے دیئے معاملہ رفت و گزشت لیکن ہمارے خسر صاحب کو بےچینی تھی وہ عامل صاحب کے پیچھے پھرتے رہے کہ اس کا کچھ انتظام کیجئے۔ دو روز کے بعد عامل صاحب نے کہا کہ آپ کے داماد کو کس سے بیعت ہے۔ جب انھوں نے حضرت کا اسم مبارک بتایا تو عامل صاحب نے کہا کہ میاں وہ زبردست شیخ سے نسبت رکھتے ہیں۔ اثرات جو

ہوگئے تھے وہ اسی وقت ختم ہو گئے۔ اب آپ بلا وجہ مجھے کیوں پریشان کر رہے ہیں۔ جایئے اپنا کام کیجئے۔ تب خسر صاحب کا بھی خیال درست ہوا سبحان اللہ! سچ ہے ع جتنا بڑا گھرانہ اتنا بڑا سہارا

سرفرازیاں

دربار رسالت کی سرفرازی

آپ ابتداء سے عشق نبوی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ محبوب اللہ کے وصال کے وقت مجھے گیارہواں سال تھا۔ چونکہ حضرت کی مجھ پر بے حد عنایت تھی۔ اس لئے حضرت کے فراق میں اکثر غمگین رہتا۔ ایک رات خواب دیکھا کہ ایک بڑا میدان ہے۔ جہاں کافی مجمع ہے۔ بیچ میں ایک منبر رکھا ہوا ہے۔ اور کہا جا رہا ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہونے والے ہیں۔ تمام مجمع کی نظریں منبر کی جانب لگی ہوئی ہیں۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ سواری مبارک رونق افروز ہوئی اور میں نے دیکھا کہ منبر مبارک کے قریب ہی حضرت خواجہ محبوب اللہ بھی ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے ہوئے

ہیں۔ سرکار کے منبر پر رونق افروز ہوتے ہی دربان نے آواز دی "یحییٰ کہاں ہے بلواؤ سرکار یاد فرما رہے ہیں۔" میں فرطِ مسرت سے اٹھ کر منبر کے قریب پہنچا تو حضرت خواجہؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر زینہ پر چڑھا یا۔ پھر منادی نے آواز دی کہ سرکار سب کو حکم فرما رہے ہیں کہ سب کو اطلاع کر دو کہ میں نے اس بچہ کو لے لیا ہے۔ یہ مژدہ سنکر میں خوشی سے اچھل پڑا اور نیند سے بیدار ہو گیا۔

یہ سب سے پہلی سرفرازی تھی جو دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ اسی کے نتیجہ میں عشق نبوی کا چراغ آپ کے سینہ میں زیادہ روشن تھا۔ اور کثرت سے عالم رویا میں جمال مبارک کی زیارت نصیب ہوتی تھی ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۳۳۲ھ میں آپ اپنے برادر معظم حضرت عثمان میاں صاحب قبلہؒ کو جو ہجرت کی نیت سے مدینہ منورہ میں مقیم تھے، چند روز کے لئے حیدرآباد دلانے تشریف لے گئے تھے۔ یہ زمانہ ترکی حکومت کا تھا۔ حرمین شریفین کے انتظامات بھی ترکیوں سے متعلق تھے۔ اس زمانہ میں

زائرین کے منجملہ اگر کوئی خواہش کرے تو مدیر حرم (حرم شریف کے منتظم) کی اجازت سے مسجد نبوی میں تمام رات ٹھہرنے کی اجازت دی جاتی تھی ورنہ عام طور پر ہر شخص ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ بلکہ نماز عشاء سے دو گھنٹے بعد سب کو برخواست کروا کر حرم شریف کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے تھے اور پھر تہجد کے وقت کھولے جاتے تھے۔ ایک روز میں نے حضرت بھائی صاحب قبلہ رح سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں اور میرے رفیق سفر غلام حسین صاحب (جو حضرت کے مرید تھے اور میرے ساتھ تھے) ہم دونوں ایک رات حرم شریف میں گذارتے ہیں۔ فرمایا کہ مناسب ہے میں نے مدیر حرم شریف سے اجازت حاصل کر لی۔ ہم دونوں نماز عشاء کے وقت رات کے قیام کی نیت سے تیاری کے ساتھ حاضر ہوئے بعد عشاء حسب عادت سب کو برخواست کر دیا گیا۔ اب ہم دونوں اور ایک مدنی مجذوب صاحب رہ گئے ہیں۔ جن سے متعلق سنا کہ وہ ہر رات حرم شریف میں ہی گذارتے ہیں اور ان کو خصوصی اجازت حاصل ہے۔ پورے حرم شریف میں ہم تین کے سوا کوئی چوتھا آدمی نہ تھا۔ غلام حسین صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ اب یہاں کیا پڑھنا چاہیئے۔ میں نے کہا کہ سوائے درود شریف پڑھنے کے اور کونسا عمل بہتر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ہم ریاض الجنۃ میں دروازے کے سامنے بیٹھے درود شریف پڑھ رہے تھے اور ہم سے آگے

مجذوب صاحب بیٹھے اپنے ہی آپ کچھ اشارے کرتے اور مسکراتے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ یکایک چونک کر ہماری جانب دیکھا اور خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد وارفتگی میں وہی حرکات کرنے لگے۔ پھر ہماری طرف دیکھا اور خاموش ہو گئے۔ اسی طرح دو تین مرتبہ ہوا تو میں نے غلام حسین صاحب سے کہا کہ ہماری وجہ سے مجذوب صاحب کے شغل میں فرق آرہا ہے۔ بہتر ہوگا کہ ہم یہاں سے ہٹ کر ایسے مقام پر بیٹھیں کہ جالی شریف کا حصہ تو دکھائی دے۔ مگر ہم مجذوب صاحب کو نظر نہ آئیں۔ ہم وہاں سے اٹھ کر ایک ستون کی آڑ میں جا بیٹھے۔ نصف اللیل کے بعد حرم شریف سے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ خیال ہوا کہ یہاں حرم نبوی میں پکار کر بات کرنا منع ہے۔ زور زور سے خراٹے لینا سخت بے ادبی و گستاخی ہے۔ شاید مجذوب صاحب کی آنکھ لگ گئی ہے۔ چل کر انھیں جگا دینا چاہیئے۔ جب آگے بڑھ کر دیکھا تو مجذوب صاحب اپنی جگہ بیٹھے تھے۔ اور ان کا شغل جاری تھا تو سوچا کہ شاید ہماری طرح کوئی اور صاحب بھی اجازت لے کر ٹھہرے ہوں گے جن کا ہم کو علم نہیں ہے۔ اور شاید ان ہی کی آنکھ لگ گئی ہو۔ چنانچہ میں اور غلام حسین صاحب تلاش میں نکلے تو مواجہ شریف میں پہنچ کر ہمارے رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔ دیکھا کہ ایک صاحب

جن کے سر پر سفید عمامہ اور بدن پر نیلگوں رنگ کا عربی شاہا
ہے۔ قبلہ کی جانب سر اور جالی مبارک کی جانب پیر لا بنے
کئے ہوئے چت لیٹے ہوئے محوِ خواب ہیں۔ اور خراٹے لے رہے
ہیں اور جب آگے بڑھے اور چہرہ انور پر نظر پڑی تو رخِ
پرنور کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں اور چہرہ اقدس
پر ایسا رعب تھا کہ کلیجہ پانی ہوا جا رہا تھا۔ خیال آیا کہ شاید
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی آرام فرما ہیں۔ پھر
خیال آیا کہ سرکار نہ ہوں اور ہماری طرح کوئی صاحب اجازت
سے ٹھہرے ہوں اور ان کی آنکھ لگ گئی ہو تو دیکھکر خاموش
رہ جانا بھی گستاخی ہے۔ کیونکہ دیکھ لینے کے بعد اب ہم پر بھی
ذمہ داری عاید ہو گئی ہے اس کش مکش میں ہم دونوں بنا دلہ
خیال کرتے رہے۔ اور آخر طے پایا کہ ایک مرتبہ جگا دیں تو ہماری
ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اور اب میں غلام حسین صاحب سے
اور وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ آگے بڑھیں اور اس فریضہ
سے سبکدوش ہوں۔ بالآخر میں ہی بڑھا اور آواز دی۔ مگر
اس آواز کا کوئی اثر نہ ہوا تو طے کیا کہ جسم اقدس کو تھوڑی سی
حرکت دوں، ڈرتے ڈرتے قدم شریف چھوکر قدرے
حرکت دیتے ہوئے آواز دی۔ اس وقت قلب کا عجیب
حال تھا کہ بھالوں اچھل رہا تھا۔ اسی حرکت کے ساتھ ہی

جیسے کوئی نیند میں پلٹتا ہے۔ کروٹ بدلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ہم شدتِ گھبراہٹ کی وجہ سے وہاں سے ہٹ کر پائین کی جانب آ گئے۔ اور پھر یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا وہ بیدار ہو گئے ہیں یا نہیں دوبارہ مواجہ شریف کی طرف گئے تو وہ وہاں سے غائب تھے۔ اب ہم کو جستجو ہوئی کہ وہ کون ہیں۔ کہاں چلے گئے۔ سارا حرم شریف ڈھونڈا تلاش کیا۔ یہاں تک کہ تہجد کا وقت ہو گیا اور حرم شریف کے دروازے کھل گئے۔ مصلیوں کی آمد شروع ہو گئی۔ فجر کے بعد تک مصلیوں میں بھی انھیں ڈھونڈھتے رہے۔ مگر وہ پیاری صورت نظر نہ آئی۔ صبح بھائی حضرت قبلہ سے تمام واقعات عرض کئے تو مسکرا کر الحمدللہ فرمایا اور ارشاد ہوا کہ وہ سرکار دوجہاں الف الف تحیات والتسلیم ہی تھے ؎

چاہتے ہیں جس کو دکھاتے ہیں وہ

شربت دیدار پلاتے ہیں وہ

اولاً تو بے پردہ اس جمالِ نور کی زیارت، ثانیاً اس پاک و مقدس جسم اطہر سے مس کیا یہ ہر اک کے قسمت کی بات ہو سکتی ہے۔ سچ ہے "مقدر کبھی جو ملتا ہے تو ملتا ہے مقدر سے" اس مبارک واقعہ کے سننے کے بعد ہم بھی اپنی قسمت پر ناز کرتے ہیں کہ کم از کم ہم نے اس جسم اطہر سے

جس دست کو مس کرنے کا موقع ملا تھا۔ اس دست مبارک کو چومنے اور آنکھوں سے لگانے کی سعادت تو حاصل کی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

دربار حضرت مولیٰ مشکل کشا کی سرفرازی

حضرت مولانا میر شجاع الدین حسینی قبلہؒ جب ارض مقدس حجاز کو تشریف لے گئے تو وہاں کے ایک صاحب نے آپ کو حضرت مولا مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ کا جبہ شریف تحفہ میں دیا تھا۔ یہ جبہ شریف ابھی تک آپ کی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔ اور ہر سال رمضان شریف کی ۲۰ر تاریخ کو بعد نماز تراویح رکھ دیا جاتا ہے۔ ۲۰ر رمضان سے ۲۱ر رمضان کی عشا تک جو چاہیں زیارت کرسکتے ہیں۔ یہ جبہ شریف حضرت مولانا شجاع الدین قبلہؒ کے گنبد شریف کے احاطہ میں جناب سرور پاشاہ صاحب قادری (جو حضرت ہی کے پوتے ہیں) کے مکان میں برآمد کیا جاتا ہے۔ ہمارے حضرت قبلہ رح بھی ہر سال ۲۱ر رمضان کو کو پابندی سے تشریف لے جاتے اور زیارت فرماتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ بھائی حضرت قبلہ رح (حضرت عثمان میاں صاحب قبلہ رح) کے وصال کے بعد جب میں زیارت کے لئے

حاضر ہوا تو بعد زیارت اس جبہ شریف کو آنکھوں سے لگا کر نظر عنایت کا معروضہ پیش کیا اور وہاں سے آنے کے بعد مسجد میں معتکف ہو گیا۔ دوسرے ہی روز میں نے خواب دیکھا، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں اسی طرح مسجد میں معتکف پردہ کے اندر بیٹھا ہوا ہوں مسجد کے احاطہ کے باہر سے پوسٹ مین آکر میرے نام سے آواز دے رہا ہے۔ جب باہر نکلا تو ایک لفافہ میرے ہاتھ میں دیدیا۔ جو دارالعلوم سے میرے نام آیا ہے۔ میں نے اس لفافہ کو چاک کیا تو اس میں سے ایک مراسلہ نکلا جس میں لکھا ہے کہ تمھاری درخواست منظور کی جاتی ہے۔ نیند سے بیدار ہو کر سوچا تو تعبیر سمجھ میں آگئی کہ حضرت مولا مشکل کشا رضؓ باب العلم ہیں۔ دارالعلوم سے مراد دربار باب العلم ہے۔ الحمد للہ کہ میرا معروضہ قبول فرما لیا گیا۔

•

دربار غوثیت سے سرفرازی

آپ کو حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے ربط خاص تھا۔ تمام اہل سلسلہ کو گیارہویں شریف کی فاتحہ پابندی سے دلانے کی تاکید فرماتے۔ اور مریدین نیاز شریف مقرر کر کے آپ سے تشریف لانے کے مستدعی

ہوتے تو باوجود خرابی صحت کے ضرور تشریف لے جاتے تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو۔ حضور غوث پاکؓ سے ربط کے متعلق فرماتے تھے کہ میں تقریباً دس گیارہ سال کا تھا کہ والدہ ماجدہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضور غوث پاک کے گیارہ نام کا جو شخص پابندی سے روزانہ ورد کرتا ہے۔ اس پر حضور کی عنایت ہوتی ہے۔ سید اولیا میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ یہ سننے کے بعد سے میں نے ان اسماء مبارکہ کا ورد شروع کیا۔ اور حتی المقدور کبھی ناغہ نہیں کیا۔ اس ربط کی وجہ سے حضور غوث الاعظمؓ کی بھی آپ پر خاص عنایت تھی۔ ایک مرتبہ آپ مسجد میں مریدین کے ساتھ تشریف فرما تھے اور راقم بھی حاضر تھا۔ ایک نوجوان صاحب ٹوئیڈ کی عمدہ شیروانی زیب تن کئے۔ سر پر رومی ٹوپی، شیروانی کو سونے کی گنڈیاں لگی ہوئیں ہاتھ میں پتلی چاندی کے منھ کی چھڑی، چوڑی دار پاجامہ، ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں یعنی کوئی عیش پرست متمول نواب معلوم ہوتے تھے۔ نہایت متانت سے آئے۔ اور سلام کے بعد حضرت سے تنہائی میں کچھ عرض کرنے کی خواہش کی۔ آپ مسجد ہی کے ایک گوشہ میں علیحدہ ان کے ساتھ بیٹھکر گفتگو فرمانے لگے۔ اور سلسلہ گفتگو تقریباً دو گھنٹہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ عصر کی اذاں ہوگئی۔ وہ نل کے پاس بیٹھے وضو کرنے

گئے تو ہم نے دیکھا کہ ان کی داڑھی کافی لانبی ہے۔ مگر بالوں کو سمیٹ کر گولا کر دیا گیا ہے۔ تاکہ مختصر معلوم ہو۔ وضو کے بعد جب وہ دوبارہ اپنی داڑھی سمیٹ رہے تھے۔ حضرت بھی اندر سے باہر تشریف لائے۔ ان کی یہ حرکت دیکھی تو مجھ سے فرمایا کہ ان کی داڑھی کو دیکھو کس طرح چھپا رہے ہیں۔ عصر کی نماز کے بعد جب وہ چلے گئے تو فرمایا کہ یہ بہت کام کا آدمی ہے۔ اور اپنے آپ کو چھپائے رکھا ہے۔ میں نے دربار غوثیت میں کچھ معروضات پیش کئے تھے۔ بحکم سرکار مجھے جواب سنانے آئے تھے۔ اس واقعہ کے بعد بھی وہ دو چار مرتبہ حضرت کے پاس آتے دکھائی دیئے۔ مگر اس کے بعد سے اب تک دکھائی نہیں دیئے۔

سبحان اللہ! اپنے محبوبوں کے معروضوں کے جوابات خاص افراد کے ذریعہ دلوا کر انھیں مطمئن فرما دیا جاتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ کسی ظاہری شکل و شباہت پر کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ کہ کس کا خداوند عالم کے ساتھ کیا معاملہ ہے۔ اور کون کس شان و حیثیت کا آدمی ہے۔ اسی لیے ہر وقت ہوشیار رہنے اور بالخصوص اپنی زبان کو روکنے کا حکم ہے۔ کہ "ان لبعض النطق اثم" حکم باری ہے سے

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

انسان مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض حضرات اپنے آپ کو چھپانے کی خاطر قسم قسم کے روپ بھی لیتے ہیں جس کا سمجھنا دشوار ہے۔ اس لئے سلامت روی اسی میں ہے کہ ہم سب سے حسن ظن رکھیں۔ خود کو حقیر اور دوسروں کو اپنے سے بہتر سمجھیں۔ یہی ہمارے بزرگوں کی تعلیم ہے۔

ذیل میں ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں۔ جس سے حضرت کے بارگاہ غوثیہ میں تقرب کا پتہ چلتا ہے۔

سرفرازیاں

قاری ابراہیم رشید مکی خطیب مکہ مسجد کے مکہ مسجد کی خطابت تقرر طلب تھی۔ حضرت علامہ مفتی سید محمود صاحب سابق ناظم جامعہ نظامیہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز چوک اسپان پر حضرتؒ سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ مکہ مسجد کی خطابت خالی ہے۔ آپ اس کے لئے درخواست بھیجئے تو میں نے جواب دیا کہ امامت کی بڑی ذمہ داری ہوتی ہے تو فرمایا کہ آپ نے حدموزوں ہیں۔ میں یہ سنکر خاموش ہو گیا۔ اس کے تقریباً چار روز بعد اتفاق سے پھر اسی مقام پر ملاقات ہوئی تو فرمایا

کہ کیا آپ نے درخواست نہیں کی، تو پھر میں نے وہی جواب دیا فرمایا کہ آپ ہر طرح موزوں ہیں۔ فوری درخواست کیجئے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں نے خود سے یہ بات نہیں کہی ہے۔ بلکہ دربار غوثیہ سے اس خدمت کے لئے آپ کا انتخاب ہوا ہے۔ یہ حکم ہے جس کی تعمیل ضروری ہے۔ پس جس نے منتخب فرمایا ہے وہی لاج بھی رکھیں گے۔ اس کے بعد مجھے ساتھ لے کر مولوی عبدالقیوم امین خان ناظم امور مذہبی کے پاس خود تشریف لے چلے اور ان سے بھی اس صراحت کے ساتھ کہ دربار غوثیہ سے خطابت کے لئے ان کا انتخاب عمل میں آیا ہے فرماکر میری درخواست پیش فرمائی۔ چنانچہ آپ ہی کے حکم کی وجہ سے ناظم صاحب موصوف نے فوری خطابت مکہ مسجد پر میرا تقرر فرمادیا۔

حضرت خواجہ کی عنایت

آپ بچپن ہی سے اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محبوب اللہ کی خدمت میں رہے۔ وصال تک حضرت نے آپ کو اپنے سے جدا نہیں کیا اور بے حد چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ رات کو اپنے پاس ہی بستر پر ساتھ لے کر آرام فرماتے۔ بعض مریدین کی اس شکایت پر کہ باوجود کوشش کے حضرت کا تصور نہیں جمتا، آپ نے فرمایا کہ

کہ یحییٰ کا تصور جماؤ تو میرا تصور جم جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب آپ کی صورت کا خیال قائم ہو گیا تو حضرت کا تصور جم گیا۔ اور کل مقصود ہاتھ آیا۔

اس ارشاد مبارک سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت آپ میں اور خود میں دوئی کی صورت نہیں واضح فرمایا ہے۔ جس کے ثبوت میں ایک اور ارشاد بھی پیش کیا جاتا ہے۔

بحر العلوم حضرت مولانا سید شاہ محمد عبد القدیر صدیقی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ رح نے فرمایا "میں اور یحییٰ ایک نیام کی دو تلواریں ہیں۔

مذکور الصدر ہر دو ارشادات گلدستہ تجلیات (سوانح حیات حضرت خواجہ محبوب اللہ رح) میں بصراحت موجود ہیں۔ اور گلدستہ تجلیات کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جس قدر واقعات جن کے حوالے سے لکھے گئے ہیں۔ ان حضرات کو یہ کتاب طباعت سے قبل ایک مرتبہ دکھا دی گئی ہے تاکہ صحت روایت کا کامل اطمینان ہو جائے۔ ورنہ عموماً الفاظ کے بدل جانے سے بھی روایت کا مفہوم بدل جاتا ہے۔

ان ارشادات کو سنکر بے ساختہ یہ شعر زبان پر آجاتا ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

یا اس موقعہ پر مولانا مفتی اشرف علی مرحوم مفتی اول سرکار عالی کا ایک شعر تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ پیش ہے ؎

یحییٰ میاں پکاروں کہ خواجہ میاں کہوں
الفاظ مختلف ہیں مگر بات ایک ہے

بیعت، خلافت اور مجاہدات

آپ نے اپنے والد ماجد حضرت سیدی خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہ العزیز سے بیعت کی تکمیل فرمائی۔ چونکہ حضرت کے وصال کے وقت آپ کمسن تھے۔ اس لئے تعلیم و تربیت تمام اپنے برادر بزرگ حضرت سید محمد عثمان حسینی قبلہ قدس سرہ کے ہاتھوں ہوئی۔ اور برادر معظم ہی نے خلافت سے سرفراز فرمائی۔ بالعموم لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ مگر آپ فرماتے تھے کہ زمانہ شباب میں جب بھائی حضرت قبلہؒ نے خلافت سے سرفراز فرمادی تو مجھے دکھ ہوا کہ ابھی میرے کھیل کود کا زمانہ ہے۔ اور بھائی حضرت نے میرے سر پر یہ بھاری ذمہ داری رکھ دی ہے۔ چنانچہ میں نے خود کو اس کا اہل ثابت کرنے کی کوشش شروع

کردی. اس واقعہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ میں ابتداء
ہی سے احساس فرض کا جذبہ پوری قوت سے موجود تھا.
فرماتے تھے کہ خلافت کے بعد میں نے احباب کے ساتھ کھیل کود
ہنسی مذاق کے تمام محافل سے خود کو علیٰحدہ کر لیا. بعض دفعہ
بے تکلف احباب مجبور کرتے تو ان کی خاطر برائے نام شرکت کیا
کرتا اور جو بھی وقت ملے وہ اپنے کام میں صرف کرنے کی
کوشش کرتا تھا. متعدد مرتبہ ایسا ہوا کہ احباب نے لون پاٹے
کبڈی وغیرہ کے پروگرام رات میں بنائے اور مجھ سے بھی
شرکت کی خواہش کی اور مجبور کیا تو میں نے ریفری کی حیثیت
سے شرکت منظور کی اور ایک مقام پر بیٹھے رہ کر اپنے شغل
کو جاری رکھا. متعدد مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ میں نے جس پارٹی
کی کامیابی کا خیال کر کے اپنی دھن میں بیٹھا اسی پارٹی کو
خداوند عالم کے فضل سے کامیابی ہوئی. اس طرح میرے
شوق و جستجو میں بھی اضافہ ہوتا گیا.

فرماتے تھے خلافت کے بعد ایک مرتبہ میں اپنے برادر معظم
حضرت سیدی عثمان میاں صاحب قبلہؒ کے ہمراہ رکاب
قلعہ کو جا رہا تھا اثنائے راہ میں حضرت نے فرمایا کہ وہ لوگ
جو حضرت خواجہ محبوب اللہ سے شرف بیعت رکھتے ہیں. مگر
تعلیم مجھ سے پائی ہے. ان کو چاہیئے کہ مجھ سے تجدید بیعت

کریں۔ اس ارشاد کا صاف اشارہ میری جانب تھا۔ اس لئے میں نے عرض کی اس کی کیا ضرورت ہے۔ جب کہ ہم آپ کو حضرت سے جدا نہیں سمجھتے، تو فرمایا اس لئے میں نے محنت کی کیا اس کا یہی صلہ ہے کہ تم راست حضرت سے اپنا سلسلہ ظاہر کرو اور درمیان میں ہمارا کوئی ذکر نہیں، اس پر میں خاموش ہو گیا۔ بات گئی گذری مگر جب حضرت ہجرت کی نیت سے ارض مقدس حجاز کو تشریف لے جا رہے تھے۔ دل میں خیال آیا کہ میں برادر معظم کے ہر حکم کی تعمیل کی۔ اور کبھی حکم عدولی سے ان کا دل نہیں دکھایا مگر یہ ایک معاملہ ایسا تھا جس کی میں تعمیل نہ کر سکا۔ اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ اس کی معافی مانگ لوں۔ چنانچہ جب حضرت جہاز میں سوار ہو چکے تو میں نے عرض کی، میں نے آپ کے ہر حکم کی برابر تعمیل کی ہے۔ مگر ایک تجدید بیعت کے حکم کی تعمیل نہ کر سکنے کا بے حد افسوس ہے۔ اب آپ تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس حکم عدولی کو معاف فرما دیں تو مناسب ہوگا۔ اس پر حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ کم از کم شجرہ میں میرا نام شریک کر لو تو بس ہے۔ اس ارشاد کی تعمیل میں میں نے حضرت کے نام کا شجرہ میں اضافہ کر دیا ہے۔

آپ نہ صرف صوم وصلوٰۃ کے سختی کے ساتھ پابند

بلکہ نوافل کے بھی پابند تھے۔ ہر سال رمضان شریف کے آخری دہے میں بلاالتزام معتکف بھی رہتے۔ البتہ آخر زمانہ میں اس کو ترک فرما دیا تھا۔ روزانہ رات میں تین بجے کے بعد سے بالعموم مسجد ہی میں تشریف رکھتے۔ ہر شب جمعہ اور شب دوشنبہ ایک عرصہ تک مسجد ہی میں گزارتے اور آپ کے ساتھ آپ کے بعض مریدین بھی رہتے۔

کئی چلے کئے اور اسماء الہیٰ کی زکات بھی نکلالے۔ روزانہ دن اور رات میں زیادہ وقت ذکر اور شغل ہی میں بسر ہوتا ضرورت کی حد تک کسی سے بات چیت کرتے۔ اور باقی وقت یاد الہیٰ میں صرف ہوتا تھا۔ گھر پر بالعموم لوگ آکر تنگ کیا کرتے۔ تو آپ بلاعلم واطلاع کسی دوسری مسجد میں جاکر بیٹھ جایا کرتے کبھی کوئی دور دراز مقام مثلاً میر عالم تالاب یا کسی اور خاموش جگہ جاکر بیٹھ جاتے۔ کبھی کمرے کے دروازے بند کر کے گھر ہی میں تشریف رکھتے۔

سب سے بڑی ریاضت تعمیل حکم تھی کہ ہر کام استخارہ قلبی سے فرماتے۔ چنانچہ فرمایا کرتے کہ رات بھر نوافل پڑھنا مہینوں روزے رکھنا آسان ہے۔ مگر حکم کی تعمیل بے حد مشکل ہے۔

آپ کے پاس مریدی کے لئے بھی استخارہ کی شرط

تھی۔ یعنی ہر شخص سلسلہ میں بہ آسانی داخل نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ متعدد حضرات نے مریدی کی اجازت حاصل کرنے مہینوں چکر کاٹے ہیں۔ بہت کم خوش نصیب ایسے ہوتے کہ جن کو فوری اجازت مل جاتی۔ البتہ ہر سال ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ کو عام مریدی ہوتی تھی۔ اس لئے ایسے بہت سے حضرات جن کو اجازت نہ ملتی وہ گیارہویں شریف کے منتظر رہتے۔ اور اس تاریخ کو حاضر ہوکر داخلہ سلسلہ ہوتے۔

بعض واقعات عجیب وغریب بھی ہوئے مثلاً حبیب عبداللہ بالعفقیہ مرحوم منتظم مساجد سرکار عالی حضرت کے معتقد تھے اکثر حاضر ہوا کرتے۔ مریدی کا ارادہ ہوا۔ حضرت سے معروضہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔ پھر دیکھیں گے۔ اس طرح ان کو ٹال دیا۔ ۲۳ ربیع الثانی کو حضرت بادشاہ میاں صاحب قبلہ ؒ کے عرس میں صندل کے روز حبیب صاحب مرید ہونے کی نیت سے حاضر ہوئے۔ مجلس میں شریک رہے۔ بعد برخاست مجلس حضرت سے داخلہ سلسلہ کر لینے کی درخواست کی تو پھر ٹال دیا۔ ہر چند ان کی جانب سے اصرار ہوتا رہا۔ مگر آپ نے منظور نہ فرمایا اور اندر تشریف لے گئے۔ حبیب صاحب بھی مایوس ہوکر گھر لوٹ گئے۔ صبح میں ناشتہ کے بعد لوگوں سے حبیب صاحب مذکور کے مکان کا پتہ دریافت

کرنے لگے اور فرمایا کہ انھیں اطلاع کرو کہ میں ان کے پاس آرہا ہوں۔ دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ رات میں جب حبیب صاحب کو رخصت کر کے گھر میں گیا تو حضرت سیدی عبداللہ بالفقیہ قدس سرہ العزیز (یہ قادریہ سلسلہ کے اکابر شیوخ میں ہیں اور ہمارا سلسلہ ان ہی سے ہے) کو دیکھا کہ فرمارہے ہیں۔ "میاں! کیا ہمارا بچہ اس قابل بھی نہیں کہ آپ اس کو داخل سلسلہ کریں۔ میں نے عرض کی کہ اگر آپ کا حکم ہے تو ضرور اس کی تعمیل ہوگی۔ عرض کیا گیا کہ حبیب صاحب کو مطلع کر کے بلوالیا جاتا ہے۔ تو فرمایا کہ نہیں میں خود جاکر ان کو شریک سلسلہ کروں گا۔ چنانچہ آپ نے خود تشریف لے جاکر ان کو داخل سلسلہ فرمایا۔ سبحان اللہ اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بزرگوں کو اپنی اولاد کا کتنا خیال رہتا ہے۔ یہ ادھر متوجہ نہیں مگر ان کی توجہات برابر ان کی طرف ہیں ؎

میں بھولا ہوں تو مجھ کو بھولا نہیں
کرم کی ترے انتہا ہوگئی

حضرت رحؒ کے محل میں جس وقت انتقال فرمایا۔ اس وقت آپ کے ایک صاحبزادے مولوی سید محمد قادری المعروف حضرت پاشاہ صاحب کی عمر دو سال اور صاحبزادی مسماۃ قمر النساء بیگم المعروف بی اماں صاحبہ کی عمر ایک سال

تھی۔ صاحبزادی صاحبہ کو آپ کی علاتی خالہ (جو آپ کے گھر ہی میں رہتی تھیں) کے پاس رہتی تھیں۔ مگر صاحبزادے دن رات آپ کے پاس ہی رہا کرتے، والدہ کے انتقال کی وجہ ان کی پوری دیکھ بھال آپ ہی فرماتے تھے۔ یہ دونوں تین چار سال کے ہوئے تھے کہ دونوں کو چیچک نکلی، دانے دکھائی دیئے۔ یہ زمانہ حضرت سیدی باشاہ میاں صاحب قبلہ؟ کے عرس شریف کا تھا۔ چونکہ صاحبزادے آپ سے بے حد مانوس تھے۔ اور ایک منٹ بھی آپ سے جدا نہ ہونا چاہتے تھے۔ بچے خصوصاً بیماری میں جس سے مانوس ہوں اس کو چھوڑتے ہی نہیں۔ عرس شریف کی مجلس ہو رہی ہے اور صاحبزادے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ چراغوں کے روز ختم مجلس کے بعد کھانے کے وقت بھی صاحبزادے ساتھ تھے۔ اور انھوں نے بھی کھانے کے لئے ضد شروع کردی۔ پہلے تو بہت سمجھایا، منایا۔ مگر جب یہ کسی طرح نہیں مانے تو فرمایا ایک رکابی میں تھوڑا سا کھانا اور کدو کے خاش صاف کرکے لاؤ، لوگوں نے عرض کی کہ حضرت چیچک کے دانے صاف دکھائی دے رہے ہیں۔ ابھی پوری طرح سے نکلی بھی نہیں۔ ایسے وقت میں کھانا قطعاً نہ دینا چاہیئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں تھوڑا سا لادو اور اپنے سامنے ان کو کھلایا

سب کا خیال تھا کہ شاید فرطِ محبت میں ایسا ہو رہا ہے۔ مگر بعد میں آپ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا بچہ کو کھانا کھلاؤ کچھ نہ ہوگا۔ اس لئے میں نے حکم کی تعمیل میں یہ عمل کیا۔ اب زندگی ہے تو بچیگا ورنہ جو منظورِ رب ہے وہ ہوگا۔ حیرت کی بات ہے کہ چیچک دونوں کو نکلی تھی۔ صاحبزادی صاحبہ کو پورا پرہیز کرایا گیا اور صاحبزادے کو کھانا کھلا دیا گیا۔ بد پرہیزی کی گئی۔ مگر صاحبزادے کو صرف چند دانے نکلے اور بہت جلد طبیعت سنبھل گئی۔ اور صاحبزادی صاحبہ کو کافی زیادہ چیچک ابھری اور کئی دن طبیعت خراب رہی۔

سچ ہے یہ امتحانی وقت ہوتا ہے۔ بالخصوص اولاد کے معاملہ میں ایسا امتحان لے جانا کٹھن ہوتا ہے۔ ایک واقعہ جو راقم کے ساتھ پیش آیا ہے یہ ناظرین کیا جاتا ہے

میں ۱۹۴۸ء میں مرض یرقان میں مبتلا ہوا علاج کیا گیا طبیعت سنبھل گئی۔ مگر ایک دو روز بعد پھر بخار آ گیا۔ پھر یرقان ہو گیا۔ مخفی مبادکہ یرقان جگر کی خرابی سے ہوتا ہے اور جب جگر ایک مرتبہ کمزور ہو جائے تو ذرا سے حرج سے متاثر ہو جاتا ہے۔ مرض یرقان میں ثقیل غذاؤں اور روغنی اشیاء سے روکا جاتا ہے۔ یہ ہمارے شباب کا زمانہ تھا۔ پرہیز برابر نہیں کیا جاتا، احتیاط نہیں برتی جاتی جس کے نتیجہ میں

تھوڑے دن بعد طبیعت خراب ہوجاتی اور کئی کئی دن پرہیز کا سلسلہ جاری رہتا۔ ایک مرتبہ اسی طرح طبیعت خراب تھی حضرت قبلہ حکیم محمود صمدانی مرحوم سے رجوع کیا تھا علاج جاری تھا۔ کسی نے دوسرے حکیم صاحب کا نام بتایا کہ ان کی پوڑیوں سے چار روز میں فائدہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر مرض عود نہیں کرتا ایک روز ناشتہ پر میں حضرت کے ساتھ تھا۔ ان حکیم صاحب کے علاج کا ذکر کیا تو فرمایا کہ یہ سب بے کار باتیں ہیں ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ وہ سوچ سمجھکر کر رہے ہیں۔ اوائل عمری تھی ہم نے بار بار اصرار کیا تو آخر پر فرمایا کہ اچھا تم جس کا مناسب سمجھو علاج کرا سکتے ہو۔ ہم بہت خوش ہوکر ان حکیم صاحب سے رجوع ہو گئے۔ طبیعت بجائے سنبھلنے کے اور بگڑ گئی۔ پھر کسی اور نے کسی اور طبیب کا نام بتایا۔ ان کا علاج شروع ہوا۔ اس طرح متعدد حکماء اور ڈاکٹروں کے زیر علاج ہوئے دوائیں برابر منگوائی جارہی ہیں پرہیز برابر ہو رہا ہے۔ مگر ؏

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مرض میں بجائے کمی کے اضافہ ہوتا گیا۔ آخر نوبت یہ ہو گئی کہ روزانہ ۵۰ تا ۶۰ اجابتیں ہونے لگیں —

پرہیز میں سوائے دودھ اور ساگودانہ کے کوئی چیز نہ دی جاتی کمزوری سے اوٹھنا بیٹھنا محال ہوگیا۔ دو آدمی بٹھاتے اور دو آدمی لٹاتے تھے۔ ایک روز ناشتہ کے بعد آپ نے مزاج کی کیفیت پوچھی، طبعیت بھر آئی۔ میں روتے ہوئے عرض کیا کہ آخر کب تک یہ سلسلہ چلے گا؟ میرے رونے پر خود بھی متاثر ہوئے اور جلد کھانا کھاکر باہر تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ تقریباً صبح سات بجے کا ہے۔ دس بجے دن ایک پیر بھائی مزاج پرسی کو آئے اور کیفیت معلوم کرنے کے بعد حضرت سے عرض کیا کہ ڈاکٹر واگھرے میرے خاص ملاقاتی ہیں۔ اگر حکم ہو تو ان کو لاکر دکھاتا ہوں، آپ نے منظور فرمایا۔ وہ چار بجے ڈاکٹر صاحب کو لے کر پہنچے، ڈاکٹر نے تفصیلی معائنہ کیا اور باہر نکلے، پوچھا گیا تو کہا کہ ایک ہفتہ ان پر گذر جائے تو کچھ کہہ سکوں گا۔ یعنی ایک ہفتہ بھی زندگی کی امید باقی نہ تھی۔ مگر جب فضل کا وقت آتا ہے۔ تو کچھ سجھائی بھی دیتا ہے۔ کام کسی کا ہوتا ہے اور نام کسی کا، فضل کا وقت آگیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے جو دوائیں تجویز کیں مغرب کے بعد سے شروع کی گئیں۔ اور پہلے ہی خوراک سے فائدہ محسوس ہونے لگا۔ اور طبعیت سنبھلنے لگی۔ ڈاکٹر صاحب چوتھے روز پھر آئے اور معائنہ کیا تو خوش ہوئے

اور حضرت کو مبارکباد دی کہ حضرت! اب آپ کا بچہ خطرہ سے باہر ہو گیا ہے۔ گھر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، سبھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ دوسرے روز حضرت نے فرمایا کہ "تمھاری طبیعت خراب ہونے کا سبب کیا تھا؟" میں نے عرض کیا کہ میں سمجھ نہ سکا۔ فرمایا میں تمھارا علاج حکیم محمود صمدانی صاحب سے حکماً کرا رہا تھا۔ تمھاری خواہش پر بھی تبدیلی علاج کی اجازت دینا نہ چاہتا تھا۔ مگر جب تمھارا اصرار بڑھا تو مجھے حکم ہوا کہ اب ان کی مرضی پر چھوڑ دو تم دخل نہ دو، جب ہی میں نے خیال کیا کہ اب خدا جانے کن پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اب جو چار روز قبل تم روئے اور بے بسی کا اظہار کیا۔ تمھارا رونا کام آیا رحمت خداوندی کو جوش آیا اور تمھارا قصور معاف کیا گیا۔ سبحان اللہ!

حقیقت تو یہ ہے کہ جب فضل کا وقت آتا ہے تو اسباب خود بنتے ہیں۔ رونا آنا اور رونا معافی قصور کا باعث ہونا۔ یہ سب ان ہی کے کرم کا نتیجہ ہے۔ جب وہ کرم پر آتے ہیں۔ تو ان کا کرم کام آتا ہے اور دوسروں کا نام ہوتا ہے۔ جہاں یہ سچ ہے وہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ بزرگوں کی نافرمانی کن مصائب میں مبتلا کر کے چھوڑتی ہے بالخصوص ان مبارک ہستیوں سے بہت ڈرتے رہنے کی ضرورت ہے۔ جو تمثت امر

اپنی زندگی گزارتے ہیں۔
آپ نے سخت امر زندگی گذارنے کا عملی نمونہ پیش فرمایا وہ سبق آموز ہے۔ ایک طرف اولاد کا معاملہ دوسری طرف تمام مصارف خود ہی برداشت فرما رہے ہیں۔ لیکن حکم ہے کہ تم خاموش رہو دخل مت دو۔ کسی قسم کی مداخلت نہیں فرماتے گو حالت تشویشناک ہو گئی۔ مایوسی چھا گئی لیکن ایک چپ لاکھ چپ، پھر یہ رونا بھی اگر تنہائی میں ہوتا تو قطعًا یہ اثر پیدا نہ کرتا۔ رونا ان کے سامنے آیا وہ خود بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس لئے خدا جانے کیا سفارش فرمائی کہ آخر خون معاف ہو گیا۔ اسی لئے وسیلہ ضروری ہے۔
صاحبزادگان حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اسی لئے یا ابانا استغفرلنا ذنوبنا کا معروضہ پیش کیا اور حضرت یعقوب کی دعا ہی سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔ کی قرآن میں تاکید ہے۔ یا غافل اعتبروا انظروا تبفکر!!
سچ کہا گیا کہ آنکھ کے آنسو ہی غضب کے بادل کو ہٹا سکتے ہیں۔ اور ندامت کے آنسوؤں کی لڑی سے رحمت باری کو جوش آتا اور فضل کی بارش ہوتی ہے۔

تعلیمات اور فیض صحبت

آپ شریعت مطہرہ

کے نہ صرف خود سختی سے پابند تھے بلکہ سب کو احکام شرع شریف کی پابندی کا حکم دیتے تھے۔ آپ وعظ بھی بیان فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک ربیع الاول شریف میں بارہ روز اور ربیع الثانی شریف میں گیارہ روز، محرم میں عاشورہ کے روز اور شب برات میں پابندی سے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ من بعد صرف ربیع الاول شریف و ربیع الثانی کی بارہ و گیارہ تاریخ اور یوم عاشورہ و شب برات کے مواعظ ہوتے تھے۔ ان مواعظ میں بھی احکام شرع شریف کی پابندی پر زور دیا جاتا۔ آپ کا انداز بیان بھی بے حد خاص ہوتا اور مجالس وعظ بھی بے حد پُراثر ہوتے۔ ایک دو مرتبہ آپ کے مجالس وعظ میں پیرو فقیر مولانا الیاس برنی مرحوم نے شرکت کی۔ اور ختم مجلس کے بعد کہا کہ یہ عام واعظین کی طرح کا وعظ نہیں، دل جلی باتیں ہیں، قال نہیں حال ہی حال ہے۔ خود تڑپتے ہیں۔ اور دوسروں کو تڑپاتے ہیں۔ آپ کے مواعظ اس قدر پُراثر ہوتے کہ تمام حاضرین متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ اکثر مجالس میں بچوں کے آنکھ سے بھی آنسو نکل پڑے۔

زمانہ قدیم میں آپ کے محلہ میں کچھ طوائفین رہتی تھیں ان میں سے اکثر نے آپ کے مواعظ میں شرکت کی اور ان

پر بھی یہ اثر ہوا کہ وہ نکاح کر کے اپنے پیشہ سے دستبردار ہو گئیں. ان میں ایک عورت بھی ایسی باقی نہ رہی جس نے نکاح نہ کیا ہو.

آپ کی گفتگو کا انداز بھی خاص تھا. بالعموم جو نصائح فرماتے تو قصص بیان کر کے تفہیم فرماتے. ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ایک بادشاہ بے حد خدا ترس تھا لغویات سے اُس کو سخت تنفر تھا. جب یہ اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا تو ایک بھانڈ حاضر ہوا اور اپنے انعام کا طالب ہوا. تو بادشاہ نے کہا کہ میرے پاس یہ لغویات نہیں، تجھے انعام نہیں فرمایا جا سکتا. اس نے جواب میں عرض کیا کہ سرکار ہمارا مقررہ معمول ہے. سرفراز کیجئے، پھر وہی انکاری جواب ملا تو اس پر بھانڈ نے عرض کیا کہ سرکار غلام تو برابر لے گا. اس پر بادشاہ نے برہم ہو کر کہا کہ اگر مجھ سے انعام لے سکتا ہے تو لے لے. اس نے بہت خوب کہہ کر آداب بجالایا. اور چلتا بنا. داڑھی مونچھ بڑھایا، زلف رکھے. اور چند روز بعد شہر کے ایک پہاڑ پر نمودار ہوا. تمام شہر میں کسی بزرگ کے آنے کی خبر پھیل گئی. لوگ جوق در جوق آنے لگے. دیکھا کہ ایک بزرگ ہیں جن کو کسی سے کوئی واسطہ نہیں. اگر تحفہ بھی پیش کئے جائیں تو قبول نہیں کرتے. عوام میں شہرت

ہوئی کہ کیا بے طمع فقیر ہے۔ عوام سے بڑھ کر شہر کے رؤسا، کی آمد شروع ہوئی۔ سب کے ساتھ وہی لاپروائی کا برتاؤ کہ پیر پھیلائے لیٹا ہوا ہے۔ نذر بھی پیش کی جائے تو قبول نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ وزیر اعظم ملاقات کو حاضر ہوا تو اس کے ساتھ بھی وہی برتاؤ، ہزاروں روپئے بطور نذرانہ سامنے رکھا تو وہ بھی واپس کر دیا کہ فقیر کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وزیر نے بادشاہ سے بطور خاص اس واقعہ کو بیان کیا تو بادشاہ نے بھی ملاقات کی تمنا ظاہر کی اور ایک روز حاضر ہوا۔ جب بادشاہ آیا تو اس کی خاطر بیٹھا۔ چند منٹ بات چیت کی۔ اس کے بعد نذرانہ کی کشتیاں پیش کی گئیں۔ جن میں اشرفیاں بھری تھیں۔ تو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ فقیر کو اس کی ضرورت نہیں، اللہ تجھ کو اور تیرے ملک کو سلامت رکھے ہم دعا کریں گے۔ بادشاہ نے کہا کہ نذرانہ کی اس طرح واپسی شگون بد پیدا کرے گی۔ اس لئے کچھ تو قبول کیجئے۔ تو کہا کہ اچھا تمہاری انگوٹھی جو تم نے پہن رکھی ہے دیدو، یہ تمھاری یادگار ہے۔ بادشاہ بصد شوق اس کو فوری اتار کر نذر کر دیا۔ اس کو بادشاہ کے سامنے ہی پہن لیا۔ اور کہا کہ جاؤ یہ بس ہے۔ بادشاہ آداب بجالا کر واپس ہوا۔ تھوڑی بعد فقیر صاحب بھی اس پہاڑ سے غائب ہوگئے۔ ہر چند لوگوں نے تلاش کی

مگر کہیں پتہ نہ چلا، یہ یہاں سے غائب ہوکر بال کٹوا آیا اور داڑھی منڈھائی، اور دو روز کے بعد پھر اپنے اصلی روپ میں دیوڑھی پر حاضر ہوا اور بادشاہ سے اپنے انعام کا مطالبہ کیا تو بادشاہ نے کہا کہ تو نے تو کہا تھا کہ لے لوں گا۔ جالے لئے پھر کیوں تو آیا، تو اس نے عرض کیا کہ سرکار غلام نے اپنے کام کو پورا کر دیا کیا اب بھی انعام نہیں ملے گا؟ بادشاہ نے پوچھا وہ کیسے؟ تو اپنے ہاتھ کی انگوٹھی دکھائی، تو بادشاہ نے کہا تو ہی وہ فقیر کے روپ میں آیا تھا، عرض کیا جی ہاں! تو بادشاہ نے کہا بے وقوف! میں نے تو تجھے اتنی رقم دی تھی کہ اگر تو لے لیتا تو عمر بھر کے لئے کافی تھی پھر کیوں نہیں لیا؟ جواب دیا کہ سرکار! غلام فقیر کے روپ دھوکا دینا نہیں چاہتا تھا۔

اس واقعہ کو بیان فرما کر نصیحت فرمائی کہ ایک بھانڈ نے بزرگوں کے لباس کا اس قدر احترام کیا کہ ان کے لباس میں دھوکہ دینا پسند نہیں کیا ہے۔ لہٰذا ہم کو بھی چاہیئے کہ بزرگوں کی صورت و شکل بنا کر دنیا کو دھوکا نہ دیں۔ اور فقیر کے لباس میں رہ کر دنیا طلبی نہ کریں۔

قلعہ میں آپ کے کثرت سے مرید رہتے تھے اور ان میں اکثر فوجی تھے۔ قلعہ میں مجالس وعظ بھی ہوتے

تھے۔ اور بعض دفعہ ذکر کے حلقے بھی ہوتے تھے۔ سماع کی مجالس تو بالالتزام ہوتی تھیں۔ جس میں آپ تشریف لے جاتے اور بعد مجلس کے نصائح فرماتے۔ ان مجالس میں اہل سلسلہ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی شرکت کرتے۔ اور بعض حضرات ایسے بھی آجاتے جو ربط و نسبت نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ لال خاں نامی ایک فوجی تھے جو ذکر کے مجالس کی نقل کرتے اور سماع کا مذاق اڑاتے تھے۔ لیکن چند روز بعد ہی فیض صحبت سے متاثر ہوئے اور داخل سلسلہ ہوئے۔ آپ نے ان کا نام بدل کر خواجہ جمال رکھا۔ اس کے بعد ان کو ایسا رنگ آیا کہ جس قدر وہ بدنام تھے اتنے ہی نیک نام ہوئے اور پورے قلعہ میں بزرگ سمجھے جانے لگے۔ لوگ ان کی عزت اور توقیر کرنے لگے۔ بعد میں حضرت نے ان کو خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ یہ بیحد متقی پرہیزگار، کاسب، ذاکر اور شاکر بن گئے تھے۔ متعدد اصحاب ان سے رجوع ہوتے اور اپنی پریشانیوں میں ان سے مدد کے خواہاں ہوتے۔

اسی طرح دوسرے ایک صاحب شیخ حسین نامی تھے۔ جو عالم شباب میں مرید ہوئے۔ مگر پیر سے کوئی ربط نہ تھا۔ عام فوجیوں کی طرح لہو و لعب کا سلسلہ جاری تھا۔ اکثر پیر بھائیوں نے عرض کیا کہ شیخ حسین کی طرف توجہ کی ضرورت

ہے کہ ان سے آپ کی بد نامی ہو رہی ہے تو فرمایا کہ نہیں وہ بہت اچھا اور محبت و خلوص کا آدمی ہے۔ انشاء اللہ سنبھل جائے گا چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ آپ ایک مرتبہ چند روز کے لئے قلعہ تشریف لے گئے۔ شیخ حسین کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو روزانہ حاضر ہونے اور آپ کی خدمت کرتے۔ آپ آرام فرماتے تو پیر دبایا کرتے۔ اس کے بعد ان کا ایسا رنگ بدلا کہ نہ صرف تمام لغویات چھوٹے بلکہ شیخ حسین ذکر و شغل میں مصروف ہو گئے۔ تہجد کے پابند ہو گئے۔ چند روز میں شیخ حسین میں وہ رنگ آیا کہ جو لوگ ان کو برائی سے یاد کرتے تھے۔ اب ان کا احترام کرنے لگے۔ اسی طرح متعدد ایسے اصحاب جو انتہائی غنڈہ قسم کے تھے۔ آپ کے فیض صحبت سے نیک اور اللہ والے بن گئے۔ اکثر بدظنی سے متعلق سختی سے منع فرماتے تھے کہ کسی کے ظاہر پر کوئی حکم لگایا نہیں جا سکتا یوں بھی انسان کو خود اپنے آپ کو دیکھنا چاہیے۔ دوسروں کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ بعض اللہ والے خود کو چھپانے کے لئے ایسے حرکات کر جاتے ہیں کہ لوگ ان کو برا سمجھیں۔ اس لئے کسی کو برا کہتے یا سمجھنے کا حکم نہیں اور اس سے کوئی فائدہ بھی نہیں بلکہ بسا اوقات نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست ؎ شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ عبادت کی تعریف کرو، نماز پڑھنا عبادت، روزہ رکھنا عبادت، حج کرنا عبادت، زکوٰۃ دینا قرآن کا پڑھنا، سننا اور دیکھنا عبادت، کعبہ شریف کو دیکھنا عبادت اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کے چہرہ انور کو دیکھنا بھی عبادت، فرمایا گیا ہے. لہٰذا عبادت کی ایسی جامع تعریف کرو جو سب پر صادق آئے. عرض کیا گیا آپ ہی فرمائیں تو فرمایا کہ خدا کی جانب خیال کے منتقل ہونے کا نام عبادت ہے. لہٰذا جو کام بھی خدا کے خیال سے کیا جائے وہ عبادت ہی میں شمار کیا جائے گا. اگر کوئی انسان اپنے بچہ کو جو علیل ہے. اپنی اولاد ہے میں خدمت نہ کروں تو کون کرے گا. سمجھ کر سنبھالتا ہے تو اس کا کوئی اجر نہیں اور اگر یہ سمجھ کر کہ یہ خدا کا بندہ ہے اس کی خدمت مجھ سے متعلق کی گئی ہے. سنبھالے، اور اگر رات تمام اس کے لئے جاگے تو تمام رات عبادت میں شمار ہوگی. اور اس کا اجر ملے گا. پس جو کام کرو خدا کے خیال سے کرو.

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ بچپن میں ہم میٹھے پر جھکتے، پھولدار شئے یا لباس پر توجہ کرتے تھے. ہم روتے تھے تو ہم کو بہلانے کے لئے باجہ بجایا جاتا تو ہم سنبھل جاتے. اب بھی وہی حال ہے. اچھی غذا، اچھا لباس، گانے بجانے کا شوق، سینما بینی

کھیل، تماشے کا ذوق باقی ہے۔ عمر کی زیادتی کی وجہ قدرے
سنجیدگی پیدا ہوئی ہے۔ مگر وہ طفلانہ تمام حرکات
آج بھی باقی ہیں صرف ادب بدلا ہے۔ اسی لئے کہا گیا
ہے سه

چہل سال عمرے عزیزت گزشت
مزاج تو از حال طفلی نگشت

یہ تمام ناسمجھی کی باتیں ہیں جن کو خداوند عالم نے سمجھ عطا
کی وہ اس حقیقت کو سمجھے تو ان تمام طفلانہ حرکات سے اپنے
آپ کو روکا اور ایسے سمجھدار اصحاب کو دنیا والوں نے اللہ
والوں کے نام سے یاد کیا اور دنیا دار ان کو دیوانہ سمجھتے ہیں۔
حالانکہ یہی فرزانہ ہیں۔ اور یہ لوگ دنیا والوں کو بھولے اور
نادان سمجھتے ہیں۔ دیوانہ اس کو کہتے ہیں جو پہلے عقل وخرد
رکھتا تھا بعد میں کھو دیا ہو اور نادان اس کو کہتے ہیں جس کو
سمجھ بوجھ آتی ہی نہیں۔ یعنی دنیا والوں کے خیال میں اللہ والے
دیوانے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ محبت خدا میں دنیا داروں کو ناعاقل
عقل آتی ہی نہیں۔ خدا کے خیال اور خدا کی یاد میں دیوانے
بن جاؤ کہ ارشاد نبوی بھی یہی ہے "اذکروا اللہ کثیراً
حتیٰ یقولوا مجنون" یعنی خدا کو اس قدر یاد کرو کہ
لوگ تمہیں دیوانہ کہنے لگ جائیں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ خداوند عالم کی ہر صفت ہر وقت مصروف بہ کار ہے۔ صفت حی ہر وقت زندگی بخش رہی ہے اور صفت ممیت مٹتی جا رہی ہے۔ جسم کا ہر حصہ ہر لحظہ و ہر آن بدلتا جا رہا ہے۔ جانے والا جا رہا ہے۔ اور آنے والا اس کی جگہ لے رہا ہے۔ یہ عمل اس قدر تیزی سے جاری ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ لہذا ہر دم یادِ الٰہی میں گزارنے کی کوشش کرو۔

جو دم جاتا ہے پھر نہیں آتا ہے
کچھ یادِ الٰہی کے سوا بات نہ کر

ایک مرتبہ اصلاح بنوانے تشریف رکھے تھے ارشاد فرمایا کہ جسم سے یہ بال جدا ہو رہے ہیں یعنی میرے جسم کے ایک عضو کی موت واقع ہو رہی ہے۔ اگر غفلت کی حالت میں یہ جدا ہوئے تو ان کا خاتمہ بخیر نہ ہوا۔ لہذا ہر وقت اس کا خیال رکھو۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے حسن پر نازاں ہے اپنے لباس کو صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ بدبو ہوتی ہے تو اس سے بچنے کے لئے ناک کو کپڑا لگا لیتا ہے۔ مگر اس کو خبر نہیں کہ خود وہ ایک بدبو کا کیڑا ہے۔ اس کا یہ عالم ہوگا کہ ناک سے کان سے منہ سے کیڑے نکلیں گے۔ گوشت

پوسٹ سب ختم ہو جائے گا۔ اور وہ ایک ہیبتناک شکل اختیار کر جائے گا۔ چنانچہ ایسے انسانی ڈھانچے طب کے طلباء دیکھتے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے وحشت ہوتی ہے۔ کل یہی حال ہمارے اس ڈھانچہ کا ہونے والا ہے۔ جس پر ہم بہت نازاں ہیں۔ اس حقیقت پر اگر نظر رکھے تو تمام ناز ختم ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ عزت، حکومت، دولت، یہ سب ختم ہونے والے ہیں۔ بڑے بڑے دولت مندوں کی دولت، بادشاہوں کی حکومت باقی نہیں رہی۔ وہ عزت جس کے لئے انسان مرا جا رہا ہے۔ اور ہر مقام پر اپنے لئے مقام حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے حصول کے لئے جائز و ناجائز ہر صورت اختیار کر رہا ہے۔ یہ عزت کسی کی باقی نہیں رہی۔ تمام عزت خدا کی ہے۔ حکومت خدا کی ہے۔ اور دولت تو آج تک کسی ایک جائے جم کر نہیں رہی۔ اور یہ ہمیشہ گردش میں رہتی ہے۔ پھر ایسی ناپائیدار چیزوں کے لئے کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ سب فنا ہونے والے ہیں۔ وہی ذات باقی رہنے والی ہے تو باقی سے لو لگاؤ باقی کی دھن میں زندگی بسر کرو تو مٹنے والا مٹ جائے گا۔ اور

رہنے والا باقی رہے گا۔ یہ تمام قید و بند ہیں۔ جس میں تجھے گرفتار کیا جا رہا ہے۔ اِن پھندوں کو پھاند کر رہا ہو جا کہ سمجھداری کی یہی بات ہے سے

قید و بند دنیا کی کاٹ بیڑیاں ساری
لے جواں با ہمت جست کر رہا ہو جا

ایک مرتبہ فرمایا کہ "میں" بھی عجیب تماشہ ہے ہر طرف میں ہے۔ تمام محبت اسی کی ہے۔ میری بیوی میرے بچے میرا مکان، میرا شہر، میرا مرشد، حتیٰ کہ میرا دین جس نے اس "میں" اور "میرے" کو بیچ سے نکالا، خدا اور اس کے حکم سے ربط پیدا کیا تو وہ خدا کو پالیا۔ اسی کا نام خودی کو مٹانا اور خدا کو پانا ہے۔

ایک مرتبہ "اسراف" "سخاوت" اور "بخل" سے متعلق ارشاد فرمایا کہ دیکھو ہم کو "اسراف" سے متعلق سختی سے منع فرمایا گیا۔ اور ارشاد ہوا کہ "اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ" - اور ایک مقام پر اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ بھی آیا ہے۔ اور مصارف سے متعلق یاں صراحت ہدایت دی گئی کہ "وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْہَا کُلَّ الْبَسْطِ کہ تم اپنے ہاتھ کو اس طرح نہ رکھو کہ گویا گردن سے لپٹا ہوا ہو اور نہ بالکل

کھولدو بلکہ وابتغ بین ذالك سبیلا درمیانی راستہ اختیار کرو۔ یعنے ضرورت کے وقت حسب ضرورت خرچ کرو۔ جہاں اپنی ضرورت تھوڑے پیسوں میں بھی تکمیل پا سکتی ہے وہاں غیر ضروری خرچ کرنا اسراف میں داخل ہے۔ اور ضرورت پر بھی خرچ نہ کرنا بخل ہے۔ لہذا اپنی ضروریات میں روک تھام سے کام لیں۔ اور نمود عیش و عشرت سے حتی المقدور بچیں۔ اور حقیقت پر ضروری خرچ کریں کہ بخل بھی بری شئے ہے۔ اور اسراف کرتے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا۔ جیساکہ قرآن کریم میں ان کو شیاطین کا دوست فرمایا گیا ہے۔ لیکن خدا کی محبت میں جتنا دل کھول کر خرچ کر سکتے ہو کرو اسی کا نام سخاوت ہے۔ صحابہ کرام کی زندگی ہمارے سامنے ہے کہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے خدا کی محبت میں اپنا مال قربان کر دیا تھا۔ جگر گوشہ رسول الثقلین حضرت سید امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم نبوی کی تعمیل میں گھر کا پورا مال لاکر پیش کر دیا اور بدریافت عرض کیا کہ خدا کو اور خدا کے رسول کو گھر میں چھوڑ آیا ہوں اور باقی جو تھا وہ تمام دربار اقدس میں حاضر کرتا ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ خدا اور رسول کی محبت میں اور دین کی خدمت کے لئے جس قدر صرف کر سکتے ہو کرو۔ اس معاملہ میں کوتاہ نظری سے

کام نہ لو، اسی کا نام سخاوت ہے۔ اور سخی سے متعلق ارشاد ہے کہ السخی حبیب اللہ ولو کان فاسقاً۔ اس کے برعکس بخیل سے متعلق ہے کہ والبخیل عدو اللہ ولو کان زاہداً۔

بزرگان دین خاصان خدا میں ہم ان کو بھی خدا کے خیال سے چاہتے ہیں۔ لہذا ان کی محبت بھی خدا کی محبت ہے۔ بس ان کے معاملات میں بھی کشادہ ذہنی سے کام لو روک تھام نہ کرو خیر و برکت جاتی رہے گی۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ روپیہ فی نفسہٖ برا نہیں۔ بشرطیکہ اس کا مصرف ٹھیک ہو۔ چنانچہ ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بزرگ تھے۔ ان کی خدمت ایک شخص کیا کرتا تھا۔ خاصان خدا پر بعض وقت محویت کا رنگ غالب آجاتا ہے۔ ایسے وقت ان کا کہا ان کا نہیں ہوتا وہ حکم رب سے کہتے ہیں۔ وہ شخص جو خدمت کیا کرتا تھا ان بزرگ کے پیر دباتے بیٹھا تھا۔ یکایک وہ بزرگ اٹھے اور فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ تو اس نے عرض کی کہ حضرت مجھے بادشاہ کا وزیر بنا دیجئے۔ تو آپ نے جھنجلا کر فرمایا کہ کچھ اور مانگ یہ کیا بے ہودہ خواہش ہے مگر اس نے اپنے کئے ہوئے معروضے پر اصرار کیا تو آپ لیٹ گئے اس کی یہ آرزو آپ کو پسند نہ تھی معاملہ رفت و گزشت

چند دن بعد اسی طرح پھر جوش میں لٹھے اور مانگنے لگا تو پھر اس نے وہی معروضہ کیا۔ پھر خفا ہو کر لیٹ گئے۔ چند روز پھر گذرے تھے کہ ایک مرتبہ پھر ایسا ہی مانگنے فرمایا چنانچہ اس نے پھر وہی خواہش کی تو فرمایا جا تیری خواہش پوری ہوگئی۔ یہ شخص تاجر تھا۔ چند روز بعد تجارت کے مال کے سلسلہ میں بادشاہ کے پاس اس کی باریابی ہوگئی۔ اس کا معاملہ بادشاہ کو بہت پسند آیا تو دربار میں آنے جانے کی اجازت مل گئی۔ یہ اکثر حاضر دربار رہنے لگا۔ چند دن اسی طرح گزرے تھے کہ ایک مرتبہ ایک وزیر پر شاہی عتاب ہوا اور قلمدانِ وزارت اس سے لے کر اس کے حوالے کر دیا گیا۔ مقصدِ دل پورا ہوا یہ اپنے محسن بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر نذرِ عقیدت پیش کیا تو آپ نے مسکرا کر سکوت اختیار فرمایا۔ اب اس تاجر کو جو وزیر بن گیا تھا خیال ہوا کہ اپنی آخرت کا بھی کچھ سودا کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ بڑے احتیاط سے کھانا تیار کرواتا اور کھانے میں بالعموم ایسے اشیاء بطور خاص رکھواتا جو عام طور پر غریبوں کو میسر نہ آتے اور خود سامنے ٹھہر کر کھانا ایک مرتبہ اسی طرح دستر خوان چنا گیا۔ جس پر مختلف قسم کے کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ میوہ بھی تھا۔ ایک ضعیفہ آئی اور دستر خوان کو دیکھکر رونے لگی۔ رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو کہا کہ

اس دستر خوان پر انگور بھی ہیں۔ اور میری بچی جو حاملہ ہے ایک عرصہ سے انگور کے لئے تڑپ رہی ہے۔ میں غریب بیوہ ہوں مجھے کھانے کو ہی برابر میسر نہیں آتا اس کو انگور کہاں سے لاکر کھلا سکتی۔ آج اس دستر خوان پر انگور دیکھکر مجھے خیال آرہا ہے کہ میں تو انگور کھاؤں گی۔ مگر میری حاملہ بچی اسی طرح تڑپتی رہے گی۔ وزیر نے یہ سنکر کہا کہ تم کھاؤ اور تمھاری بچی کے لئے بھی اللہ تعالےٰ انتظام کروا دے گا۔ اور حکم دیا کہ جس قدر انگور دستر خوان پر رکھے ہیں وہ سب اس بڑھیا کے حوالے کر دیئے جائیں۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئی تو حسب الحکم وہ سارے انگور اس کے دامن میں ڈال دیئے گئے۔ اور بے حد مسرت سے وہ اپنی گود بھر کر باہر نکلی اور دامن پسار کر دعائیں دینے لگی کہ پروردگار وزیر نے میرا دامن بھر دیا ہے۔ تو اس کا دامن گلِ مقصود سے بھر دے، اس نے مجھے خوش کیا ہے تو اس کو دین و دنیا میں خوش رکھ، اس نے میری اولاد کو سرفراز کیا ہے تو اس کی اولاد کو سرفراز فرما وغیرہ۔ جب رات ہوئی وہ بزرگ کی خدمت میں حسب معمول حاضر ہوا کیونکہ وزارت ملنے کے بعد بھی وہ حضرت کے پاس برابر حاضر ہوتا تھا اور روزانہ شام میں جاکر برابر پیر دبایا کرتا اور جب پیر پر ہاتھ رکھا تو آپ از خود مسرت سے اٹھ بیٹھے

اور نزدیک کھینچ کر خوب میٹھی ٹھونکی اور فرمایا کہ آج اس ضعیفہ نے تمھارے لئے جو دعائیں کیں اللہ تعالیٰ ایک ایک لفظ کو درجہ قبولیت بخشا ہے۔ جا اللہ تعالیٰ تجھ پر اور فضل وکرم کی بارش فرمائے گا۔ اس واقعہ کو بیان کر کے فرمانے کہ روپیہ سے اچھا کام لیا جائے تو یوں سرفرازیاں بھی ہوتے ہیں۔ مگر بالعموم مال و دولت کے آنے سے غفلت بھی آتی ہے۔ انسان عیش و آرام میں مبتلا ہوکر خدا سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس لئے بزرگانِ دین نے مال و دولت سے احتراز فرمایا ہے۔ وہ بے شک بہت قابل تعریف آدمی ہے۔ جو روپیہ آنے کے بعد بھی خدا کی یاد اور خدا کے خیال میں اپنی زندگی بسر کرے۔

فرمایا کہ اچھی غذائیں آرام دہ بستر یہ تمام نفسانی خواہشات کو ابھارتے ہیں۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں نکاح کرنے کی سکت نہ ہو تو روزے رکھا کرو نفسانی خواہشات ابھر کر غلط راستہ پر نہ ڈالیں۔ حضورؐ نے فقر و فاقہ کو اسی لئے پسند فرمایا اور کمبل پر اسی لئے ہمیشہ آرام فرمایا کرتے کہ غفلت نہ آئے۔ نرم توشک پر سوتے سے غفلت کی نیند آتی ہے۔ اچھی غذائیں شہوت بڑھاتی ہیں۔ عیش و آرام کے سامان سے خدا کی یاد میں فرق آتا ہے۔ اسی لئے بزرگان دین نے امراء کے مکانات اور

زیب وزینت کو دیکھنے کو بھی گناہ قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ انسانی فطرت میں داخل ہے کہ جب کسی چیز کو دیکھتا ہے۔ اور وہ اس کے دل کو بھاتی ہے تو طبیعت اس کی جانب راغب ہوتی ہے۔ اور خود بھی اسی طرح کرنے کی کوشش کرتا ہے لہذا ایسے لغویات کی جانب نظر بھی نہ کرو تاکہ تمھارے دل میں اس کے کرنے کی خواہش پیدا نہ ہونے پائے اور تم ابتلاء سے محفوظ رہو۔

فرمایا کہ دنیا کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدخانہ سے تعبیر دی ارشاد ہوا کہ "الدنیا سجنٌ للمومن" دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے۔ قید خانہ میں آرام و آسائش کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ سزا کی مدت یہاں سے گذار کر چلنا ہے۔ بعض بزرگان دین نے فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے بیت الخلاء میں رہتے ہیں۔ یعنی اپنے دامن کو گندگی سے ہمیشہ بچائے رکھو۔

ارشاد فرمایا کہ بیکار گفتگو سے ہمیشہ احتراز کرو کہ خاموش رہنے میں سلامتی ہے۔ سرکار دو عالم کا ارشاد ہے کہ مَن سکت سلم مَن سَلم نجا۔ یعنی جو سکوت اختیار کیا سلامتی پایا۔ اور جس نے سلامتی حاصل کی نجات پایا۔ زیادہ گفتگو سے ایک تو وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ دوسرے اس

گفتگو میں بعض دفعہ جھوٹ، غیبت وغیرہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس سے نہ صرف گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بلکہ دل کا نور کم ہو جاتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ ذکر و شغل کی مثال ورزش کی ہے۔ یہ دل کی ورزش ہے۔ اس سے روحانی قوت بڑھتی ہے۔ مگر جس طرح جسمانی ورزش کے ساتھ پرہیز ضروری ہے۔ اسی طرح روحانی ورزش کے ساتھ بھی پرہیز ضروری ہے۔ اور منہیات سے خود کو روکنا ہے۔ ورزش تو برابر جاری ہے۔ مگر پرہیز صحیح طور پر نہ ہو تو قوت کہاں سے پیدا ہوگی۔ بلکہ بعض دفعہ بدپرہیزی سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ تصورِ شیخ کو قائم کرنے کی سختی سے کوشش کرو، یہ پہلا زینہ ہے۔ بغیر اس کے منزل طے نہیں ہوتی۔ ہر مرید کو اپنے پیر سے ربط قائم کرنا ضروری ہے۔ اور پیر سے جس قدر ربط زیادہ ہوگا۔ اسی قدر وہ ترقی کے منازل طے کرتا جائے گا۔

فرمایا کہ ہر کام حکم کے تحت کرنے کی کوشش کرو۔ سنتِ فسلک کا حکم ہے۔ اپنے یہاں کی تعلیم میں سب سے زیادہ اسی کو اہمیت دی گئی ہے۔ اسی کا نام سپردگی ہے۔ اسی کو قربِ فرائض کہتے ہیں۔ یہ سب سے بڑی ریاضت ہے ؎

کہا جو جینے کو جی اٹھے ہم کہا جو مرنے کو مر گئے ہم
اب اور کیا چاہتا ہے ترے اشاروں پر چل رہے ہیں

رات تمام نوافل پڑھنا آسان ہے۔ مگر حکم پر چلنا سخت مشکل ہے۔ اس میں آزمائش بھی ہوتی ہے۔ جو ثابت قدم رہا سرفراز ہوا اور مطلوب پایا۔

ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بادشاہ تھا اس کی کئی بی بیاں تھیں۔ ایک بی بی کو زیادہ چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ بالکل اس کے منشاء کے مطابق رہا کرتی تھی۔ بادشاہ کی اس چاہت کی وجہ سے دوسری بی بیوں کو حسد پیدا ہوا۔ ایک روز بادشاہ نے محل کے ایک ہال میں تمام قیمتی زر و جواہر کو سلیقہ سے رکھوایا اور بیچ ہال میں خود کرسی پر بیٹھ کر تمام محلات کو بلوایا۔ جب سب جمع ہو گئے۔ تو حکم دیا کہ تم میں سے ہر ایک کو اس کی اجازت ہے۔ جس کو جو چیز پسند ہے اس ہال سے اٹھا لے۔ چنانچہ سب خوشی خوشی اپنے اپنے پسند کے زر و جواہر اٹھانے رہے۔ لیکن اس ہی محبوب بیوی ایک طرف خاموش تماشائی بن کھڑی رہی، بادشاہ نے اس سے بطور خاص کہا کہ خاموش کیوں کھڑی ہو جو چاہتی ہو اٹھا لے۔ تو اس نے بڑھ کر کہا جہاں پناہ! اس ہال میں جو کچھ ہے اس میں سے انتخاب کر کے لینے کی اجازت ہے، تو کہا ہاں! تو سیدھے آگے بڑھی اور آکر جھکے سے بادشاہ کی پشت پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ نے پوچھا کیا ہے؟ تو کہا اس ہال میں آپ بھی تو تشریف فرما ہیں۔

مجھے صرف آپ مطلوب ہیں۔ بادشاہ نے خوش ہو کر کہا تو بیجد ذہین ہے کہ مجھے منتخب کر کے سب کچھ لے لیا ہے

یار تیرا ہے تو پھر تیری ہے ساری کائنات
سب کو اپنا کرنے والے اسکو اپنا کر کے دیکھ

ایک مرتبہ فرمایا کہ ریاکاری سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرو کہ ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا کا بطور خاص حکم دیا گیا ہے اس سے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ اخلاص بڑی چیز ہے۔

فرمایا کہ تکبر بدترین گناہ ہے۔ اپنے اچھا سمجھنا حماقت ہے۔ یہ فقیری کا سب سے بڑا اگھن ہے۔ اس کی وجہ انا خیر منہ سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جو حشر اس صدا کے بلند کرنے والے یعنی عزازیل (شیطان) کا ہوا۔ وہی اس سے نسبت پیدا کرنے والے کا ہوتا ہے۔

تکبر عزازیل کا را خوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

ہم عصر شیوخ

آپ کے اپنے تمام ہمعصر بزرگوں سے تعلقات دوستانہ و برادرانہ تھے۔ خصوصاً حضرت مولانا سید شاہ اصغر حسینی سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ خاموش؎ ، بحر العلوم حضرت مولانا

محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؒ، حضرت مولانا محمد عبد المقتدر صدیقیؒ، شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ باہمی احترام اور محبت کے رشتے استوار تھے۔

جگر گوشہ حضرت سیدنا غوث الثقلینؓ حضرت پیر ابو النصر صاحب قبلہ کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ ایک مرتبہ آپ حضرت سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت پیر صاحب ایک عرصہ تک شمس آباد میں بابا شہاب الدین کی پہاڑی کی سیڑھیوں کے پاس ایک کمرہ میں مقیم تھے۔ کچھ عرصہ قبل آپ کراچی پاکستان منتقل ہو گئے ہیں۔ جب ہمارے حضرت قبلہؒ شمس آباد پہنچے تو اطلاع ملی کہ پیر صاحب نہیں ہیں۔ اور صبح کی نماز کے بعد ہی جنگل کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا چلو جب تک بابا شہاب الدینؒ کے پاس فاتحہ پڑھ لیں گے۔ ابھی آپ سیڑھیاں ہی چڑھ رہے تھے کہ جنگل کی طرف سے السلام علیکم، السلام علیکم کی آواز آئی، پلٹ کر دیکھا تو پیر صاحب تیز تیز چلے آرہے ہیں۔ جیسے ہی آپ کو دیکھا فرمایا کہ آج صبح نماز کے بعد سے نکلا ہوں باہر جانے کا ارادہ تھا۔ مگر جب آگے بڑھتا ہوں یحییٰ پاشاہ کی صورت سامنے آکر روکتی تھی۔ حیران تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے جب آپ پر نظر پڑی تو سمجھا کہ آپ نے ہم کو روک رکھا

ہے۔ پھر دونوں نے ملاقات کی۔ اور بہت دیر تک مصروف گفتگو رہے۔

شمس آباد میں قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت پیر صاحب قبلہ نے وطن کو جانے کا ارادہ کیا۔ وداع کرنے کے لئے بہت سے لوگ نامبلی اسٹیشن پر جمع ہوئے۔ آپ بھی اپنے مریدین کے ساتھ اسٹیشن تشریف لے گئے۔ بلدہ کے کئی علماء و مشائخ بھی تشریف لائے تھے۔ پیر صاحب ویٹنگ روم میں تھے۔ اور جو کوئی نذر پیش ہوتی لے کر مولوی محمود عبد القدیر مرحوم کو دیتے جا رہے تھے۔ وہ بھی حضرت کے ساتھ ہی جا رہے تھے۔ جب آپ نے نذر پیش فرمائی۔ تو لے کر خود اپنے جیب میں رکھ لیا۔ جب گاڑی پلیٹ فارم پر آئی تو پیر صاحب اٹھے اور ان کے ساتھ ایک انبوہ کثیر گاڑی کی طرف چلا آپ سب سے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ چونکہ ویٹنگ روم میں ملاقات ہو چکی تھی۔ اب پھر مجمع میں جانا باعث زحمت تھا۔ پیر صاحب قبلہ سب سے ملاقات کرتے ہوئے ڈبہ میں سوار ہو گئے۔ اور ڈبہ کا دروازہ پکڑے ہاتھ ہلا کر خدا حافظ فرما رہے تھے کہ یکایک پیچھے آپ پر نظر پڑی تو نکر گاڑی سے اتر کر سب کو چیرتے پھاڑتے آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ معاف کرنا گڑبڑ میں آپ سے ملے بغیر

سوار ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ملاقات ہو چکی تھی اس لئے میں نے بھی آگے بڑھ کر آپکو زحمت دینا پسند نہیں کیا۔ جب گاڑی چلنے لگی اور حضرت پیر صاحب بھی آرام سے تشریف فرما ہو گئے۔ تو آپ کے ہمسفر مولوی محمود عبدالقدیر صاحب سابق معتمد پیشی نواب سالار جنگ نے دریافت کیا کہ "حضرت گاڑی پر سوار ہو جانے کے بعد دوبارہ اتر جانے کی وجہ تھی"۔ فرمایا کہ "یحیٰی پاشاہ" شیر ہے۔ ان سے ملے بغیر سوار ہو گیا تھا۔ طبیعت گھبرائی اس لئے ان سے جا کر ملاقات کر لی"۔ محمود عبدالقدیر صاحب نے پوچھا کہ "آپ نے سب کے نذرانے قبول فرما کر میرے حوالے کئے۔ مگر یحیٰی پاشاہ کی نذر خود رکھ لی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟" فرمایا کہ "یحیٰی پاشاہ کی نذر ہمارے جدؒ کی تھی۔ اسی لئے میں نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔"

حضرت قبلہؒ کے وصال کے بعد ایک مرتبہ راقم کو پیر صاحب قبلے کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا تو اثنائے گفتگو میں ارشاد فرمایا۔ "میاں! آپ نے بھی اپنے والد کے صحیح مقام کو نہیں پہچانا وہ بہت اونچے آدمی تھے ان کو ہمارے دادا جانؒ دستگیرنا غوث الثقلینؒ کے پاس بھی ایسا تقرب تھا کہ لوگ ان کے توسط سے کام لیا کرتے تھے میں نے عرض کی کہ حضرت قبلہؒ بھی آپ کی بے حد تعریف

کیا کرتے تھے کہ آپ حضرت غوث الاعظمؒ کا تماشہ ہیں۔ تو فرمایا کہ وہ بھی غوث الاعظم کا تماشہ تھے۔

آج تک بھی پاکستان سے جو حضرات آتے ہیں بیان کرتے ہیں کہ جس کسی سے حضرت کی ملاقات ہوئی اور آپ کا تذکرہ نکلا تو یہی فرمایا کہ "یحییٰ بادشاہ کے ویسا فقیر نہیں دیکھا وہ بہت اونچے مقام کے آدمی تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ"۔

حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ایک اور بزرگ حضرت پیر سید علی بغدادیؒ حیدرآباد تشریف لائے تھے اور ایک عرصہ تک نامپلی کی سعیدیہ قیام گاہ میں قیام پذیر رہے۔ ان پیر صاحب کو بھی حضرت سے بے حد محبت تھی اور اکثر آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لایا کرتے ایک مرتبہ ۱۱ ربیع الثانی کو تشریف لائے۔ اس تاریخ کو حضرت کے پاس مجلس و زیارت آثار مبارک ہوتی ہے وہ بھی وعظ میں تشریف رکھے۔ ختم وعظ کے بعد خود بھی کچھ کہنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور کھڑے ہو کر آپ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ میں جب سے حیدرآباد آیا ہوں اس وقت سے آپ کو نہ صرف عزیز رکھتا ہوں بلکہ محترم بھی سمجھتا ہوں اور آپ کی بزرگی کا قائل ہوں۔ مگر اس کے ساتھ میرے دل میں ہمیشہ یہ خیال آتا تھا کہ یہ بہت بزرگ سہی لیکن ہمارے جد محترم

غوث پاک رضؓ سے ہم کو خونی ربط ہے اور ان کو فقط نسبت کا ربط ہے۔ اس لئے جتنی رسائی ہماری دربار غوثیہ میں ہو سکتی ہے۔ اتنی ان کی نہیں ہو سکتی۔ مگر حضور غوث پاکؓ نے میرے اس خیال کی تصحیح فرمادی۔ آج رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک مکان میں حضور غوث پاکؓ کی تشریف فرمائی کی مجھے اطلاع ملی جب میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضور بالاخانہ پر ہیں۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا تو معلوم ہوا کہ مقابل کے کمرہ میں جس پر چلمن پڑی ہوئی ہے۔ حضور جلوہ فرما ہیں۔ اور اس کمرہ کے دروازہ پر ایک سپاہی فوجی وردی پہنے پہرہ دے رہا ہے۔ میں نے کمرہ میں جانے کا ارادہ کیا تو سپاہی نے بڑھ کر ہاتھ سے ٹھہر جانے کا اشارہ کیا اور کہا کہ فی الوقت کسی کو نہ آنے دینے کا حکم ہے۔ ٹھہر جائیے جس وقت اجازت ہو جا سکتے ہیں۔ میں انتظار میں ٹھہرا ہوا تھا دیکھا کہ یہ (حضرت قبلہ کی جانب اشارہ کر کے) اسی طرح چوغہ ٹوپی پہنے کندھے پر رومال ڈالے ہاتھ میں کچھ کاغذات لئے چلے آرہے ہیں۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اب یہ بھی روکے جائیں گے۔ لیکن جب انھوں نے چلمن کی جانب رخ کیا تو پہرہ دار نے بجائے روکنے کے آداب بجالا کر چلمن اٹھائی اور یہ اندر داخل ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ ہم دونوں نے شرف

قدم بوسی حاصل کی اور میں خواب سے بیدار ہو گیا۔ اس خواب سے بیدار ہو کر میں بہت دیر تک سوچتا رہا کہ یہ کیا خواب ہے اور اس کی کیا تعبیر ہے؟ تو مجھے سمجھ میں آ گیا کہ میرے اس خیال کی تصحیح کی گئی ہے کہ بارگاہ غوثیہ میں جو تقرب ہیں ہو سکتا ہے وہ انھیں نہیں ہو سکتا۔

جانی میاں آپ کے ایک مرید تھے۔ جن کی شاہ علی بنڈہ پر سیکلوں کی دوکان تھی۔ اس زمانہ میں منجھلی بیگم کی حویلی کے ایک حصہ میں ایک مجذوب صاحب لالہ میاں نامی رہتے تھے۔ جو کبھی کبھی اپنے مقام سے اٹھ کر شاہی محل کے اطراف ایک چکر کاٹ کر پھر اپنے مقام پر آ جاتے۔ شاہ علی بنڈہ کے تمام تاجران کا بیحد احترام کرتے تھے۔ اور ان کے متعدد کرامات بیان کرتے تھے۔ جب کبھی وہ دوکان کے سامنے آ جاتے تو جانی میاں مرحوم بھی کچھ نذرانہ پیش کر دیا کرتے اور خیال کرتے کہ اللہ والے آدمی ہیں۔ ان کی خدمت باعث سعادت ہے اس طرح ان سے ربط بڑھتا گیا۔ ایک دن ان کے دل میں خیال آیا کہ کاروبار میں مزید برکت و ترقی کے لئے ان سے معروضہ کرنا چاہیئے۔ جانی میاں مرحوم کہتے تھے کہ جیسے ہی میں نے اس ارادہ سے نذر پیش کی انھوں نے نذرانہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کافر کافر کہتے ہوئے آگے چلے گئے۔ میں ان کے

اس جملہ سے بہت خائف ہوا اور اپنی جگہ سہم کر کھڑا ہو گیا۔ جب وہ دوبارہ ادھر سے گزرے تو میں بھی ان کے پیچھے ہو گیا۔ تھوڑی دور نہ چلے تھے کہ پلٹ کر دیکھا اور فرمایا کہ تیرے پیر کی دعا سے تجھے سب کچھ مل رہا ہے۔ پھر بھی ناشکری کرتا ہے۔ تب میں نے کفر کا مطلب سمجھا اور اپنی غلطی کی توبہ کی۔

حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بلدہ حیدرآباد میں کثرت سے مریدین تھے۔ وہ کئی مرتبہ حیدرآباد تشریف لائے۔ حضرت قبلہ سے بھی ملاقات رہی۔ "فقراء سے متعلق کنفس واحدۃ" جو مقولہ ہے وہ بالکل درست ہے۔ باوجود زیادہ ملاقات نہ ہونے کے پیر صاحب ممدوح کو حضرت سے محبت تھی۔ مولوی علیم الدین تحصیلدار مرحوم پیر صاحب موصوف سے بیعت تھے۔ اکثر حضرت کے پاس حاضر ہو سکتے اور عرض کرتے تھے کہ پیر صاحب موصوف نے ہدایت کی ہے کہ مجھ میں اور تجلی بادشاہ میں جدائی نہیں ہے۔ میرے غیاب میں جب کبھی ضرورت ہو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض معروض کر سکتے ہو۔ اس لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا ہوں چنانچہ آپ بھی پوری توجہ سے ان کے معروضوں کو سماعت فرماتے اور ان کی ممکنہ مدد فرماتے۔

حضرت جمال شاہ صاحب اورنگ آبادی علیہ الرحمہ

دکن کے مشہور اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ آپ کے کشف کی حضرت قبلہ بھی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ وہ جمعہ کی نماز بہ پابندی مکہ مسجد میں ادا کرتے اور حضرت بھی ہمیشہ نماز جمعہ کے لئے تشریف لے جاتے۔ وہ حضرت سے بے حد خلوص اور محبت رکھتے تھے۔ حضرت کو دیکھتے ہی آگے بڑھتے اور ایسی پُرجوش ملاقات کرتے کہ عقیدت کا رنگ جھلکتا تھا۔ اور دونوں کی ملاقات کو سینکڑوں لوگوں نے دیکھا ہے۔

حضرت سید محمد بغدادی برادر حضرت سید عبدالرحمن بغدادی علیہما الرحمہ جو سلطان پورہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی علیہ الرحمہ کے پاس دعوت میں قاضی پورہ آئے ہوئے تھے۔ نماز ظہر کا وقت ہوا تو مسجد النور تشریف لائے۔ جہاں حضرت قبلہ ہی امامت فرماتے تھے۔ نماز کے بعد حضرت شیخ الاسلام رح نے تعارف کروایا کیونکہ اس سے قبل دونوں کی ملاقات نہیں ہوئی تھی، دونوں نے نام حیثیت سے ملاقات کی۔ اس وقت آپ کے سر پر نیلے رنگ کی پھولوں کی ٹوپی تھی۔ بغدادی صاحب رح بیان کرتے تھے کہ میں گھر پہنچ کر رات میں سو گیا تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت پاک ہوئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور کے سر اقدس پر بھی ویسی ہی نیلے رنگ کی پھولوں کی کلاہ مبارک

ہے۔ میں خواب ہی میں سوچ رہا ہوں کہ ایسی ٹوپی تو میں نے یحییٰ پاشاہ کے سر پر بھی دیکھی تھی۔ خواب سے بیدار ہونے کے بعد بہت دیر تک سوچتا رہا۔ یکایک دل نے گواہی دی کہ یحییٰ بادشاہؒ بڑے بزرگ ہیں۔ میں نے چونکہ سرسری انداز میں ان سے ملاقات کی تھی اس لئے مجھے یہ دکھایا گیا ہے۔ دوسرے ہی روز بغدادی صاحب موصوفؒ پھر شیخ الاسلام کے پاس ناچنی بوڑہ تشریف لائے اور حضرتؒ سے ملاقات کی خواہش کی تو آپ کے پاس اطلاع کروائی گئی اور دونوں مل کر تشریف لائے آپ باہر برآمد ہوئے تو اتفاقاً اس وقت دوسری ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ بغدادی صاحب نے کل کی ٹوپی منگوانے کی خواہش کی۔ آپ نے وہ ٹوپی منگوائی۔ اس ٹوپی کو دیکھتے ہی بغدادی صاحبؒ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس ٹوپی کو لیا اور فرمایا کہ یہی ٹوپی تھی۔ بار بار اس ٹوپی کو اپنی آنکھوں سے لگایا اور رات کا پورا خواب سنایا۔

اس واقعہ کے بعد سے بغدادی صاحبؒ کو آپ سے بےحد خلوص ہوگیا تھا۔ ہر وقت آپ کی تعریف فرماتے۔ جب ہجرت کی نیت سے ارض مقدس حجاز کا ارادہ فرمایا تو اپنے صاحبزادگان مولانا سید شاہ فصیح اللہ حسینی صاحب اور مولانا سید شاہ عبدالرحیم حسینی صاحب کو بطور خاص

آپ کے احترام کو ہمیشہ پیش نظر رکھنے اور اپنی پریشانیوں میں آپ سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔

مولوی میر وزیر علی ابراہیمی بیان کرتے تھے کہ مجھے حضرت وجودی شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے بے حد عقیدت تھی۔ اکثر ان کے پاس جاتا تھا۔ ان کی علالت کے زمانہ میں ایک مرتبہ ان کی مزاج پرسی کے لئے گیا۔ اطلاع ملتے ہی مجھے مکان کے اندر بلالیا۔ میں حاضر ہوا مزاج پرسی کی، تھوڑی دیر بعد فرمایا دیکھو باہر کوئی صاحب آئے ہیں، ان کو اندر بلالو، میں باہر نکل کر دیکھا تو واقعی ایک صاحب کھڑے ہوئے تھے میں نے انھیں بلالیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو شاہ صاحب موصوف نے فرمایا کہ غالباً آپ مریدی کے ارادے سے آئے ہیں۔ انھوں نے کہا جی ہاں! تو فرمایا کہ آپ کو شیخ کامل کی تلاش ہے۔ میں آپ کو شیخ کامل کی نشان دہی کرتا ہوں، قاضی پورہ جائیے اور حضرت یحییٰ پاشاہ سے رجوع کیجئے۔ حیدرآباد میں وہ ایک ہی ہستی ہے۔ ان صاحب کی واپسی کے بعد مجھ سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ یحییٰ پاشاہ صاحب بغیر استخارہ کے مرید نہیں کرتے مگر وہ شیخ کامل کی تلاش میں ہے اس لئے اپنا کام صحیح رہبری کرنا ہے۔ اگر وہ قبول فرمائیں تو اس کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

برادرم مولانا سید محمد قادری بیان کرتے ہیں کہ پولیس ایکشن کے وحشت انگیز اور سراسیمگی کے دور میں ایک مرتبہ میں اپنے خسر محترم حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی علیہ الرحمہ کے پاس قادری چمن میں مقیم تھا۔ عشاء کے بعد حسب عادت اپنے اوراد و وظائف پڑھ رہا تھا۔ اس زمانہ میں حضرت قبلہ نے ہم سب کو یَا قَهَّارُ یَا قَهَّارُ دو ہزار مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ میں حسب الحکم اس اسم الٰہی کو پڑھ رہا تھا۔ اور شاید میری آواز قدرے بلند ہو گئی تھی کہ ادھر سے حضرت عم محترم (حضرت شیخ الاسلامؒ) کا گذر ہوا، وہ رک گئے۔ اور سننے لگے۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ یہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں۔ میں نے بتایا کہ "یا قہار" پڑھ رہا ہوں، فرمایا کہ یہ آپ خود سے پڑھ رہے ہیں۔ یا بھائی (حضرت قبلہؒ) کی اجازت سے پڑھ رہے ہیں۔ عرض کی کہ جی اجازت سے نہیں حکم سے پڑھ رہا ہوں۔ مجھ ہی کو نہیں ہم سب بھائیوں کو اور مریدین کو حکم ہے کہ روزانہ دو ہزار مرتبہ "یَا قَهَّارُ یَا قَهَّارُ" پڑھیں۔ یہ سنکر تھوڑی دیر خاموش ہو گئے اور فرمایا کہ بادشاہ حیدرآباد بھائی کو نہیں پہچانا۔ بھائی کی سوچ اور پرواز کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ آج کل اللہ تعالیٰ کی قہاریت کی شان زوروں پر ہے تو بھائی اسی کی مدد سے اس کی پناہ میں

آنے کا طریقہ اپنا رہے ہیں۔ یہ بہت اونچے مقام کی بات ہے۔ بار بار فرماتے جاتے کہ بھائی کو لوگوں نے نہیں پہچانا۔ اور خود دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔

حضرت قبلہؒ نے زمانہ علالت میں ایک روز صبح ناشتہ کے بعد فرمایا کہ آج ایک اللہ کا ولی ہمارے پاس آرہا ہے۔ ہم سوچنے لگے کہ خدا جانے وہ کون ہیں۔ اور اس ولی کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ تقریباً دس یا گیارہ بجے ہوں گے۔ اطلاع ملی کہ آپ کی عیادت کے لئے حضرت مولانا سید ابراہیم علی ادیبؒ پروفیسر جامعہ عثمانیہ تشریف لائے ہیں مسکرا کر فرمایا انہیں نے صبح میں جس کی آمد کی اطلاع دی تھی وہ یہی ہیں۔ مولانا اندر تشریف لائے اور بہت دیر تک دونوں کی گفتگو ہوتی رہی۔

استاذ العلماء، حضرت العلامہ سید ابراہیم ادیبؒ نہ صرف جید عالم بلکہ انتہائی نیک بزرگ تھے۔ صبح سے شام تک تسبیح چلتی رہتی۔ بالکل درویشانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ حضرت کے اس ارشاد سے مولانا موصوف کا مقام بھی معلوم ہوا۔

کشف و کرامات

یہ سچ ہے کہ صرف خوارق عادات معیار زندگی نہیں ہوتے لیکن وہ پاک ہستیاں جو خدا کی یاد اور خدا کے خیال میں ہمہ تن مصروف اور ایک لمحہ بھی اس کی یاد سے غافل نہیں ہوتے ان سے متعلق

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ یتقرب الی العبد بالنوافل فکنت سمعه الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا و رجلة التی یمشی بھا۔ یعنی وہ اس سے "سنتے" اسی سے "دیکھتے" اسی سے تھامتے اور اسی سے چلتے پھرتے ہیں۔ ان میں بھی تحت امر زندگی گزارنے والے یعنی بے ارادہ جینے والی ہستیاں ہیں کہ ان کا مقام ہی اور ہوتا ہے۔ جس سے متعلق کہا گیا ہے کہ ؎

جب تک وہ نہ کہے کبھی کہتا نہیں ہوں میں
یوں اس کی بزم میں ہوں گویا نہیں ہوں میں

ان مبارک ہستیوں پر و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی کا پرتو پڑتا ہے۔ ایسی ہستیوں کو قرب فرائض والے کہا جاتا ہے۔ کہ ان کی زبان نہیں ہوتی بلکہ یہ آلہ مکبر الصوت کا کام کرتے ہیں ؎

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

آپ کی زندگی بالکل اسی انداز کی تھی۔ تحت امر زندگی بسر کرنے کا آپ نے اپنے متبعین کو عملی درس دیا۔ اور اپنی زندگی کو مکمل نمونہ بنا کر پیش فرمایا۔ جس کی تصدیق آپ کی سیرت کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔

کشف و کرامات کے جو واقعات ہمارے سامنے آئے ان کے منجملہ صرف چند واقعات کو پیش کیا جا رہا ہے۔ ورنہ تمام واقعات کو قلمبند کر کے پیش کرنا بہت دشوار ہے۔

روشن علی نعت خوان بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے کسی ضرورت کے تحت ارادہ ہوا کہ حضرت کے پاس جا کر دو روپۓ مانگوں، کیونکہ جب ایسی ضرورت ہوتی، میں بلا تکلف عرض کر کے لے لیا کرتا تھا۔ گھر سے نکل کر حاضر ہوا تو آپ مریدین سے مصروف گفتگو تھے میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ اٹھ کر اندر جا رہے تھے۔ تو خیال ہوا کہ آپ واپس تشریف لانے کے بعد عرض کروں گا۔ تو جاتے جاتے پلٹے اور فرمایا کہ۔ روشن علی صاحب ٹھیرو، میں ابھی آتا ہوں اور اندر سے دو روپۓ لا کر مجھے سرفراز فرمایا۔

میراں شریف صاحب مالک شریف ٹیکسی سیکل شاہ علی بنڈہ حضرت کے زمانہ علالت میں ایک مرتبہ حاضر ہوئے اور مجھ سے کہنے لگے میرے لڑکے کے لئے ایک پیام آیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت سے قدمبوسی کرنا چاہتا ہوں۔ اور کہا کہ میں نے ہر چند یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ ان دنوں پیر و مرشد کی طبیعت ناساز ہے مگر والدہ صاحبہ بے حد مصر ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ کم از کم پیام کی قرارداد کر کے چھوڑ دیا جائے۔ شادی

بعد میں ہو سکتی ہے۔ لیکن میں تو پیام کی قرارداد بھی حضرت کی اجازت کے بغیر کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے آپ میری طرف سے عرض کر کے اجازت حاصل فرمالیں۔ تو میں نے جواب دیا کہ اپنے معاملہ کو آپ ہی آکر پیش کریں تو مناسب ہے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت قبلہ باہر برآمد نہیں ہو رہے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ میں عرض کر کے آپ کو بلوا لیتا ہوں آپ آئیے۔ چنانچہ وہ حاضر ہوئے تو میں نے اطلاع کی' ارشاد ہوا کہ بلوالو' میں نے زنانہ کو ہٹا کر ان کو اندر بلالیا' وہ حاضر ہوئے اور صرف یہ عرض کیا کہ بچہ کے لئے پیام آیا ہے۔ اور والدہ صاحبہ مصر ہیں قرارداد کے لئے تو فرمایا کہ لڑکی کا نام کیا ہے۔ جب انھوں نے ہر دو کے نام عرض کئے تو فوری ارشاد ہوا کہ لڑکی اچھی ہے۔ البتہ اس کی ماں کی طبیعت تیز ہے۔ مگر ہم کو اس کی ماں کی طبیعت سے کیا کام ہے۔ اپنے گھر آنے والی ٹھیک ہے۔ بس ہے اچھا ہے۔ شادی ٹھیرا دو۔ میراں شریف صاحب نے عرض کیا کہ پیر و مرشد آپ کی صحت سنبھلنے کے بعد تاریخ کا تعین ہو گا۔ کیونکہ شادی آپ کی شرکت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ البتہ اب پیام کی قرارداد کر دی جائے گی۔ فرمایا نہیں' شادی کی تاریخ ابھی ٹھیرا دو اور اسی ماہ میں کر دو' دولھا اور دولھن کو یہاں لاؤ تو میں دیکھ لوں گا' تاخیر مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ

اسی ماہ یعنی ذی الحجہ میں شادی ہوئی اور صفر میں آپ نے پردہ فرمایا۔ اسی لیئے تاخیر نہ کرنے کا حکم تھا۔ اور لڑکی سے متعلق میراں شریف صاحب کا بیان ہے کہ واقعی لڑکی بہت اچھی طبعیت کی ہے البتہ اس کی ماں بے حد تیز طبعیت ہے۔ حضرت نے پہلے ہی ایسا فرمادیا جیسے کوئی واقف کہتا ہے۔ حالانکہ لڑکی یا اس کی والدہ سے آپ پہلے سے واقف نہ تھے۔ اور نہ اس کے لوگ حضرت کے پاس آنے والوں میں تھے۔

شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ حضرت کی پہلی علالت کے زمانہ میں ایک مرتبہ آپ کی طبعیت خراب تھی رات میں عیادت کرکے جب گھر لوٹا تو میری طبعیت بہت بے چین تھی۔ اور میں رات بھر آپ کی صحت کے لیئے دعائیں کرتے گذارا اور صبح اول وقت پھر آیا۔ آپ سے جوں ہی ملاقات کی تو ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ محبت اسی کا نام ہے۔ خلوص ایسا ہی ہوتا ہے۔ ورنہ خالی مزاج پرسی سے کیا حاصل ہے۔ یعنی آپ نے رات تمام جو دعائیں کیں اس کا آپ کو علم ہوگیا۔

زمانہ علالت میں چونکہ آپ باہر برآمد نہیں ہورہے تھے اس لیئے مجالس میں بھی تشریف نہ لاتے تھے۔ ہر ماہ کی ۴ ار تاریخ آپ کے پاس مجلس ہوتی ہے۔ جس میں عصر سے مغرب تک سماع اور بعد مغرب حلقہ ذکر ہوا کرتا ہے۔ آپ نے مجلس شروع کرنے

کا حکم دیا۔ حسب عادت قوالی ہوئی اور مغرب کے بعد ذکر کا حلقہ شروع ہوا۔ حلقہ ذکر میں ایک کیف تھا۔ دلجمعی تھی، جی چاہتا تھا کہ ذکر کا سلسلہ طویل ہوتا جائے۔ آپ کی تشریف آوری نہ ہونے کی وجہ سے طبیعت متاثر تھی۔ میں نے حلقہ ذکر جلد برخواست کیا اندر حاضر ہوا تو فوری ارشاد ہوا کہ اس قدر جلد ذکر کیوں ختم کر دیا۔ جب کہ دل حاضر اور طبیعت راغب تھی۔

اسی طرح عید الضحیٰ کے موقع پر جب کہ آپ چلنے پھرنے کے قابل نہ تھے نماز ادا کر لینے کا حکم ہوا تو نماز ہوئی، خطبہ ہوا اس کے بعد حسب عادت قوالی ہوئی۔ تمام پیر بھائی عید کی ملاقات کے لئے بے چین نظر آرہے تھے۔ مگر اس روز بھی انتہائی حضور قلب محسوس ہو رہا تھا۔ طبیعت مزید سماع سننے کو مائل تھی۔ مگر پیر بھائیوں کے خیال سے صرف ایک غزل پر مجلس ختم کروادی اور اندر حاضر ہوا تو فرمایا کیوں اس قدر جلد مجلس ختم کروادی میں نے عرض کیا کہ لوگ آپ سے ملاقات کے لئے بے چین تھے تو فرمایا کہ ملاقات تھوڑی دیر بعد بھی ہو سکتی تھی مگر دل جمعی اور حضور قلب کے بعد بھی ایسی عجلت کی کیا ضرورت تھی۔

مولانا محمد عبد الصبور صدیقی المعروف یوسف پاشاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے زمانہ دراز تک اضلاع پر ملازمت

کی۔ ایک مرتبہ جب کہ میں ورنگل پر کارگذار تھا، طبعیت بہت اکتائی اور قاضی پورہ حاضر ہوا کہ حضرت خواجہ بیکس نوازؒ کی بارگاہ میں تبادلہ سے متعلق عرض کروں گا۔ آپ مجھے حیدرآباد بلوا لیجئے۔ جب میں حاضر ہوا تو آپ سے ملاقات ہوئی بہ دریافت عرض کیا کہ میں تبادلہ سے متعلق عرض کرنے حاضر ہوا ہوں، تو آپ نے فرمایا کہ میاں اپنے لوگوں کو اضلاع پر رہنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ دوسرے راہ راست پائیں۔ میں سنکر خاموش ہو گیا۔ کیونکہ یہ بات میرے منشا کے خلاف تھی۔ ایسا ہوا کہ ہر چند کوشش کی مگر تبادلہ نہوا۔ پھر چند ماہ بعد طبعیت بے حد اکتائی تو حاضر ہو کر حضرت خواجہؒ کی بارگاہ میں معروضہ کیا۔ اور پھر آپ سے ملاقات ہوئی تو بہ دریافت میں نے عرض کیا کہ بلدہ میں اپنے تبادلہ سے متعلق آج معروضہ پیش کر دیا ہوں اور تبادلہ کو حضرت کے ہاتھ بیچ دیا ہوں تو یہ سنتے ہی مسرت سے فرمایا کہ اب تبادلہ ہو جائے گا۔ میں گھر واپس ہوا اور وہاں سے اپنے مستقر پر جاتے ہی معلوم ہوا کہ میرے تبادلہ کے احکام آ گئے ہیں۔ اور تبادلہ بھی کسی خالی جائیداد پر نہیں بلکہ میری جائیداد ہی کو چادر گھاٹ کالج میں منتقل کر کے کیا گیا ہے۔

آپ کے چھوٹے صاحبزادے مولوی سید محمد قادری صاحب کا بیان ہے جس وقت مولانا سید محمد بادشاہ حسینیؒ صاحبؒ کی

صاحبزادی سے قرار پا رہا تھا اس وقت صاحبزادے صاحب کہیں ملازم نہ تھے۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ جس کی وجہ سے مولانا موصوف کو پیام کے قرار داد میں قدرے تامل تھا۔ آپ نے فرمایا کہ بادشاہ! میں اس بچہ کی زندگی کو دیکھ رہا ہوں، یہ آئندہ بہت عمدگی سے بسر کرے گا۔ اور اس کے ملازم ہونے تک پورے اخراجات کا میں ذمہ دار ہوں۔ آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں۔ آپ کے ارشاد اور طمانیت پر شادی ہوئی۔ آپ نے جو ارشاد فرمایا وہ ایک ایک لفظ پورا ہوا۔ اور آج بحمدہٖ تعالیٰ بڑی اطمینان کی زندگی بسر ہو رہی ہے۔

مولوی ظہیر الدین مرحوم اکونٹنٹ جنرل حیدرآباد کو آپ سے بے حد عقیدت تھی اور آپ بھی ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ موصوف مرحوم نے آپ کے پاس عرض کرایا کہ اب تک تو میں حیدرآباد ہی پر خدمت انجام دیتا رہا۔ لیکن اب تبادلہ ہو رہا ہے۔ احکام بھی نکل چکے ہیں۔ اب صرف جو صاحب میری جگہ آ رہے ہیں ان کا جائزہ دینا باقی ہے۔ جواباً فرمایا کہ ان سے کہو کہ تمہارا تبادلہ نہیں ہوگا۔ تم اپنی جگہ اطمینان سے کام کرتے رہو یہ سنکر بے حد متحیر ہوئے کہ احکام جاری ہو چکے ہیں، مگر آپ یہ فرماتے ہیں، بہر حال خاموش رہے۔ دو چار روز بعد احکام تبادلہ منسوخ ہوئے اور یہ حسب حال اپنے مقام

پر قائم رکھے گئے۔ اس کے بعد آپ کے وصال تک ان کا تبادلہ نہ کیا جا سکا۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف اکثر کہا کرتے تھے کہ جب تک مجھے سنبھالنے والے تھے کوئی ہاتھ نہ لگا سکا۔

ان ہی سے ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ درگاہ شریف حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ پر قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے۔ اس وقت مولانا شاہ شرف الدین قادری علیہ الرحمہ نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ بارگاہ خواجہ میں ان کی سفارش کریں تو آپ نے ان کے دونوں مونڈھے پکڑ کر درگاہ شریف پر ان کو جھکا دیا۔ مولوی صاحب موصوف بیان کرتے ہیں کہ جونہی میں نے مزار شریف پہ اپنا سر جھکایا مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی پشت پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ جب تک مجھے ایسا محسوس ہوتا رہا میں نے اپنا سر نہ اٹھایا اور جب یہ محسوس ہوا کہ اب وہ کیفیت نہیں رہی تو میں نے سر اٹھایا دیکھا کہ آپ اور مولانا شرف الدین علیہ الرحمہ ہر دو مسکراتے کھڑے ہیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ جاؤ کوئی فکر کی بات نہیں، حضرت خواجہ کا ہاتھ آپ کی پیٹھ پر ہے۔

ان واقعات کو بیان کر کے مولوی ظہیر الدین مرحوم اکثر کہا کرتے تھے میں نے بھی ایسی مبارک ہستیوں سے ملاقات کی۔ اور ایسے تماشے دیکھے ہیں کہ اب میری نظر کسی پر جچتی نہیں

ہے۔ بقول استاذ جلیل مرحوم ؎

اب نظر میں نہیں جچتا کوئی معشوق جلیل
نہیں معلوم مری آنکھ نے دیکھا کیا ہے

زمانہ علالت میں ایک دن صبح سات بجے ارشاد فرمایا کہ بیوی کے ڈبے میں سے بیس روپئے نکالو، میں نے روپئے نکالے اور عرض کیا کہ کیا کسی کو دینا ہے تو فرمایا کہ نہیں، میرے تکیہ کے نیچے سرہانے رکھ دو، میں نے خیال کیا کہ شاید کسی کو ہماری علم و اطلاع کے بغیر دینے کا ارادہ ہے۔ کیونکہ آپ کی داد و دہش بالعموم ایسی ہی ہوا کرتی تھی۔ دن کے گیارہ بجے تھے کہ باہر سے اطلاع ملی کہ حضرت پیر ابو النصر قبلہ مدظلہ عیادت کے لئے تشریف لائے ہیں فرمایا بلالو اندر آئے۔ تھوڑی دیر تشریف رکھے مزاج پرسی کی۔ اس کے بعد جب برخواست فرمانے لگے۔ تو آپ نے تکیہ کے نیچے سے وہ روپئے نکالے اور نذر پیش کی، پیر صاحب نذرانہ قبول کرنے سے باایں صراحت انکار فرمایا کہ میں آج فقط آپ کی عیادت کو آیا ہوں اس لئے نذر نہ لوں گا۔ تو فرمایا کہ آپ کے لئے میں آج صبح سات بجے سے روپئے نکلوا کر رکھا ہوں۔ آج آپ کا آنا یقینی تھا۔ میں صبح سے آپ کا منتظر تھا۔ آپ کو یہ نذر قبول کرنی ہوگی۔ چنانچہ اس واقعہ کو حضرت پیر ابو النصر صاحب قبلہ نے متعدد اصحاب سے خود بیان فرمایا

صاحبزادہ میر انتظام علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ زمانہ شباب غلط قسم کی صحبت کے نتیجہ میں رنگ رلیوں میں گزرا۔ ایک طوائف سے محبت ہو گئی۔ روزانہ اس کے بنگلہ پر جاتا اور گانا سنتا تھا۔ جب حضرت سے بیعت کا ارادہ ہوا تو معروضہ پر اجازت سرفراز ہوئی، بیعت کی تکمیل ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے بطور خاص وعدہ لیا کہ آئندہ بری صحبتوں سے اجتناب کیا جائے گا۔ بیعت کے بعد میں بھی شدت سے اپنے وعدہ پر قائم رہا اور تمام غلط مقامات پر آنا جانا سب چھوڑ دیا۔ اگرچہ بعض احباب نے ہر چند کوشش کی، مگر ثابت قدم رہا۔ ایک مرتبہ ایک دوست کی شادی کی تقریب میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ طوائف کا گانا ہو رہا ہے اور وہی طوائف جس کے پاس میری آمد و رفت تھی گا رہی ہے۔ یہ سنتے ہی میں لوٹنا چاہا۔ تو دوستوں نے روک لیا اور کہا کہ کم از کم کھا کر جاؤ، مجبوراً ٹھہر گیا اور وہاں سے ہاتھوں ہاتھ احباب نے مجھے محفل میں لے لیا۔ جب میں محفل میں پہنچا تو ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس طوائف نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ ہر چند میں نے اس سے نظر بچانے کی کوشش کی۔ مگر چار آنکھ ہو ہی گئی۔ اور اس نے مسکرا کر دیکھا۔ محفل برخواست ہوئی۔ میں اپنے گھر لوٹا تو بار بار اس کی صورت سامنے آ رہی تھی۔ اور طبیعت اس کی طرف کھنچی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی حضرت سے کئے ہوئے وعدہ کا خیال بھی بار بار آ رہا تھا۔ ہر چند اپنے

کو رو کنے کی کوشش کی۔ مگر معاملہ حد سے جب تجاوز کر گیا تو
بے ساختہ ایک روز نکل پڑا اور سیدھے اس کے گھر کا رخ کیا
بنگلہ کی جب سیڑھیاں چڑھ رہا تھا کہ یکایک کان میں حضرت
قبلہ کی آواز آئی کہ یہ وعدہ خلافی کیسی ؟ بس اس کے ساتھ
ہی ہاتھ پیر میں لرزہ پیدا ہو گیا۔ حالت دگرگوں ہونے لگی،
گھبراہٹ میں راستہ طے کر کے گھر واپس ہوا۔ مگر وحشت طاری
تھی۔ اور یہ خیال آرہا تھا کہ میں نے وعدہ خلافی کیسے کی۔ دوسرے
روز اضطراب کے عالم میں قاضی پورہ پہنچا۔ اور آپ یا ہر پیر
بھائیوں سے گفتگو فرماتے تشریف رکھے تھے۔ قدمبوسی کا
شرف حاصل کر کے ادب سے سامنے بیٹھ گیا۔ گفتگو فرماتے فرماتے
آپ نے دوسروں کی جانب مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ "مریدین
بھی بے حد پریشان کرتے ہیں۔ بعض حضرات تو ہم کو کلال خانہ
اور کسبیوں کے بنگلہ پر بھی لے جاتے ہیں۔" یہ سنکر سب متحیر
ہو کر حضرت کو دیکھ رہے تھے۔ اور میں ندامت سے شرمسار تھا
تھوڑی دیر بعد آپ برخاست فرمائے اندر تشریف لے
گئے۔ پیر بھائیوں میں چہ می گوئیاں شروع ہوئیں کہ کس کی
جانب اشارہ تھا۔ حضرت کے ارشاد کو ہم سمجھ نہ سکے۔ پھر سب
پیر بھائی برخواست کئے۔ لیکن میں ٹھہرا رہا۔ تھوڑی دیر بعد آپ
پھر اندر سے برآمد ہوئے۔ حوض پر وضو کیا۔ مجھے دیکھکر دریافت

فرمایا کیوں بادشاہ! ابھی ٹھیرے ہوئے ہو، میں نے جی! کہکر سکوت اختیار کیا تو پھر اندر تشریف لے گئے۔ اور اندر سے لکڑی ہاتھ میں لئے برآمد ہوکر باہر جانے کا قصد فرمایا تو میں بھی ساتھ ہوگیا۔ چونکہ اس وقت آپ بالکل تنہا تھے۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور بڑھ کر قدموں پر سر رکھ کر معافی چاہی تو چہرہ غضب آلود ہوگیا اور فرمایا کہ بادشا! اپنے کئے ہوئے وعدہ پر قائم رہنا چاہیئے۔ یہ طریقہ بالکل نامناسب ہے۔ اسکے بعد بحمدہ تعالی پھر کبھی ایسی غلطی کی جرأت نہیں ہوئی

حسن بن محسن صاحب کی بی بی جو سیدی عثمان حسینی قبلہ علیہ الرحمہ سے بیعت تھے۔ ان کا زمانہ طفلی حضرت قبلہ کے دولت خانہ قاضی پورہ میں گزرا۔ حضرت کی والدہ ماجدہ یعنی پیرانی بی قبلہ ان کو بے حد عزیز رکھتی تھیں۔ برسوں یہاں گزرتے کی وجہ تھوڑی بے باک تھیں اور حضرت سے بے تکلف عرض معروض کیا کرتیں ان کے شوہر حسن بن محسن صاحب پرانی وضع قطع کے آدمی تھے سینما بینی سے سخت نفرت کرتے۔ اس کو مخرب اخلاق تصور کرتے۔ اور زنانہ کو اس کی قطعاً اجازت نہ دیتے تھے۔

یہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ ان کی ہمشیر آئیں اور بیان کیا اکسلیر سینما واقع عابد شاپ میں ایک مذہبی رنگ کا کھیل آیا ہے۔ اس میں لغویات بالکل نہیں ہیں اس لئے آپ اجازت دیں تو میں بھائی کو اپنے ساتھ لے جا کر یہ کھیل دکھاتی ہوں۔ یہ پولس

الیکشن سے قبل کا واقعہ ہے۔ اس زمانہ میں فرقہ وارانہ فسادات اکثر ہو رہے تھے۔ پہلے تو بھائی نے انکار کیا۔ اس کے بعد بہن کے اصرار پر بادل ناخواستہ بایں شرط اجازت دی کہ پہلا شو دیکھکر جلد واپس ہو جائیں بڑی رات ہونے نہ دیں۔ نند بھاوج خوشی خوشی نکلے۔ جب سینما گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ عوام کی کثرت کی وجہ سے ٹکٹ بند کر دیا گیا ہے۔ اب دونوں نے باہم مشورہ کیا کہ آج بڑی مشکل سے اجازت ملی تو ٹکٹ بند ہو گیا۔ اب اگر واپس ہو جائیں تو پھر اجازت ملنا محال ہے۔ لہٰذا جب نکلے ہی ہیں تو یہاں نہیں تو کسی دوسرے سینما میں کھیل دیکھ لیں گے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ سکندرآباد کے ایک سینما میں اچھا کھیل چل رہا ہے۔ اب دونوں کو وہاں پہنچنے کی سوجھی۔ چنانچہ سکندرآباد چلنے کے لئے اسی رکشہ والے کو راضی کر لیا۔ یہ سوچ کر کے تھوڑا ناشتہ کر کے چائے پی کر سکندرآباد چلیں گے۔ ایک ہوٹل کے پاس رکشہ ٹھیر وا کر لقمی کباب منگوائے۔ خود بھی لئے اور رکشہ والے کو بھی دیا۔ یہ دونوں رکشہ کے اندر اور رکشہ والا نیچے کھڑا کھا رہا ہے رکشہ کو پردے لگے ہوئے ہیں۔ اس عرصہ میں رکشہ راں کی آواز آئی کہ آپ بلاوجہ مجھ پر خفا ہو رہے ہیں۔ مجھے اس سے کیا تعلق ہے۔ سواریوں نے ٹھیرنے کہا ٹھیر گیا۔ اور جہاں چلو کہیں لے جاؤں گا۔

بی صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ رکشہ راں کی یہ گفتگو سنکر مجھے حیرت ہوئی کہ وہ کون ہے جو ہمارے معاملہ میں مداخلت کر رہے ہیں. میں نے پردہ ہٹاکر جب دیکھا تو حضرت پیر و مرشد یحیٰی بادشاہ قبلہ ؒ ہاتھ میں لکڑی لئے رکشہ راں کو ڈرار ہے ہیں کہ زنانہ کو اس طرح راستہ پر کھیرا کر کھاتا ہے. میں نے آپ کو جو دیکھا تو گھرائی اور رکشا راں سے کہا اب بجائے سکندرآباد کے گھر چلو کیونکہ مجھے خیال ہوا کہ حضرت نے ہم کو دیکھ لیا ہے. اور شوہر چونکہ اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے ہیں. اس لئے ان سے حضرت شکایت نہ فرمادیں. جب ہم گھر پہنچے تو شوہر نے گھر جلد آنے کی وجہ دریافت کی تو تمام واقعہ من وعن سنادیا اس پر وہ مسکرا دیئے اور کہا کہ تم میری بغیر اجازت سکندرآباد جانے کا پروگرام بنائے تھے. وہ تمھارے پیر کو بھی ناگوار گزرا اس لئے اس طرح تم کو لوٹا دیا. دوسرے روز اخبار دیکھا تو معلوم ہوا کہ اسی روز بعد مغرب سکندرآباد میں فرقہ وارانہ فساد شدت سے پھوٹ پڑا کئی آدمی زخمی ہوئے تو ہم نے خدا کا شکر ادا کیا کہ حضرت کی وجہ سے خداوند عالم نے ہم کو اس پریشانی سے بال بال بچالیا. ورنہ ہم بھی پریشان ہو جاتے.

چند روز بعد مجھے قاضی پورہ حاضر ہونے کا اتفاق ہوا

جب آپ سے قدمبوسی حاصل کی تو بغیر کسی واقعہ کے اظہار کے میں نے صرف یہ عرض کیا کہ "پیر و مرشد! آپ اس طرح ہمارے ساتھ پھرتے رہیں تو کیا ہو گا؟" (یہ بچپن یہاں گذارنے کی وجہ بہت بے باک گفتگو کرتی تھیں اور طبیعت میں بہت ظرافت تھی)، فوراً آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر رو کے نہ جاتے تو مر جاتے تھے۔ تب معلوم ہوا کہ آپ نے ہمارے فائدہ ہی کی خاطر اس طرح ہم کو ڈانٹ کر واپس فرما دیا۔ سبحان اللہ

آپ کے چھوٹے صاحبزادے مولوی سید محمد قادری صاحب بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک سال میٹرک کا امتحان میں ناکام رہا دوسرے سال پوری توجہ سے تیاری کر رہا تھا۔ امتحان سے ایک ماہ قبل ایک روز آپ نے فرمایا کہ امتحان میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پرچہ سوالات لینے کے بعد بالکل سادہ (سفید کاغذ کی طرح) دکھائی دیتا ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر ایسی صورت پیش آئے تو پریشان نہ ہونا پرچہ کو رکھ دینا۔ تھوڑی دیر میرا تصور کرو پھر دادا پیر حضرت قبلہؒ کا اسم مبارک پڑھو اس کے بعد پھر دیکھو اور پرچہ کو پڑھو کچھ سمجھ میں آئے گا۔ پھر بھی صاف سمجھ میں نہ آئے تو اسی طرح عمل کرو یہاں تک کہ پرچہ صاف سمجھ میں آئے دیر ہوئی تو پرواہ نہ کرنا۔ اس کے بعد سلسلہ وار جوابات لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جس سوال

کا جواب زیادہ یاد ہو اس کو پہلے لکھو اس کے بعد اسی طریقہ سے دوسرا پھر تیسرا الیٰ آخرہ پھر اپنے دیئے ہوئے جوابات پر نظر ثانی کرو اس کے بعد بھی وقت بچے تو چھوٹے ہوئے سوال حل کرو، امتحان گاہ جانے سے قبل حضرت داد پیر قبلہؒ کے پاس جا کر فاتحہ پڑھو اور حضرت کا اسم مبارک پڑھتے جاؤ واپسی میں بھی سب سے پہلے حضرت کے پاس حاضر ہو کر فاتحہ پڑھو اور اس کے بعد گھر آؤ، جب آپ نے یہ نصیحت فرمائی تو میں بہت خوب کہہ کر خاموش ہو گیا۔ لیکن پرچہ سوالات سفید کاغذ نظر آنے کی بات سمجھ میں نہ آئی۔ جب امتحان شروع ہوا تو روزانہ حسب ہدایت عمل جاری رہا۔ بحمدہ تعالےٰ تمام پرچے اچھے گذرے۔ سب سے آخری پرچہ طبعیات اور کیمیاء کا تھا۔ جب امتحان ہال پہنچا اور پرچہ حاصل کیا تو بالکل وہی صورت جو حضرت قبلہ نے فرمائی تھی پیش آئی۔ یعنی پرچہ سوالات بالکل سفید کاغذ کے مانند نظر آنے لگا۔ میں انتہائی پریشانی میں مبہوت رہ گیا۔ ساتھ ہی حضرت کا ارشاد یاد آیا حسب ہدایت تھوڑی دیر عمل کر کے پرچہ ہاتھ میں لیا۔ تو کچھ سمجھ میں آیا پھر پرچہ کو رکھ کر وہی عمل کیا پھر پرچہ اٹھایا اسی طرح عمل کیا۔ پھر پرچہ اٹھایا اسی طرح کشمکش میں نصف گھنٹہ گذر گیا۔ اس کے بعد پرچہ ابتداء تا انتہا پڑھا اور جو سوال

آسان نظر آیا اس کا جواب پہلے لکھا اس کے بعد دوسرا پھر تیسرا یہاں تک کہ سب سے آخری سوال جو تین حصوں پر منقسم تھا باقی رہ گیا۔ اور وقت قریب الختم تھا۔ لکھے ہوئے جوابات پر نظر ثانی کی تو جوابات صحیح معلوم ہوئے۔ ابھی دو چار منٹ باقی رہ گئے تھے۔ اگر کوشش کرتا تو شاید یہ بھی مکمل ہو جاتا۔ مگر مسرت میں پرچہ واپس کر کے امتحان ہال سے واپس نکل گیا۔ جب گھر پہنچا تو سب سے پہلے یہی ارشاد ہوا کہ اس قدر پریشان کیوں ہو گئے ہم نے تو تم کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا اور آخری سوال کیوں چھوڑ دیا! اگر اس کے جوابات بھی ادا کر دیتے تو تم درجہ اول میں کامیابی حاصل کر سکتے تھے۔ سبحان اللہ۔

اس استفسار پر میں حیران ہو کر رہ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ امتحان ہال میں آپ بھی میرے ساتھ تھے۔ کسی نے سچ کہا

دست پیر از غائبان کوتاہ نیست
دست او جز قبضہ اللہ نیست

ہر بات آئینہ کی طرح ان پر واضح ہے۔ بزرگوں کی ذات جیسے ہماری عقل و فہم سے بالاتر ہے۔ ان کی باتیں بھی ہماری سمجھ سے پرے ہوتی ہیں۔

مولوی سید محمد قادری صاحب بیان فرماتے ہیں۔ کہ

محمد مظفر الدین یحییٰ صاحب جو حضرت ہی سے بیعت ہیں۔ ان کی ملکیات حیدرگوڑہ میں تھیں اور بنک میں ان کا کھاتہ بھی تھا۔ اکثر بلدیہ کے ٹیکس کا مطالبہ ہوتا تو یہ چک لکھ کر دے دیا کرتے تھے اتفاق سے ایک مرتبہ آمدنی بند تھی۔ کھاتہ خالی تھا۔ بلدیہ کی جانب سے ٹکس کا مطالبہ شروع ہوا تو حسب عادت چک لکھ کر دیدیا اور فوری بھاگے بھاگے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایسی جسارت بیجا کر دی ہے اب میری عزت آپ کے ہاتھ ہے۔ فرمایا جاؤ اللہ مالک ہے۔ جب تک رقم جمع نہ ہوگی ——— کچھ نہ ہوگا۔ بلدیہ والوں نے اس چک کو بھنانے بنک کو بھیجا تو چک واپس ہوگیا۔ بلدیہ کا آدمی ان کی تلاش میں نکلا اتفاق سے یہ ایک روز بنک میں اپنے ایک دوست سے ملنے گئے۔ اور جس کرسی پر یہ بیٹھے تھے۔ اس کرسی کے پاس بلدیہ کا آدمی ان کا نام لے کر دریافت کیا تو ان کے دوست نے ایک ٹال مٹول کا جواب دے دیا۔ کیونکہ وہ اس واقعہ سے واقف تھے۔ اس کے ایک ہفتہ بعد رقم آئی اور کھاتہ میں جمع ہوئی۔ اس وقت تک بلدیہ سے پھر کوئی حصول رقم کے لئے نہ آسکا۔ رقم جمع ہونے کے بعد آیا اور رقم حاصل کرلی۔

حضرت کی کرامت کا ایک اور محیر العقول واقعہ جو جناب

عنایت اللہ خان صاحب پر گذرا جس کو موصوف ہی نے حضرت کے ۲۵ ویں عرس شریف کے موقع پر ہفتہ وار اخبار "احتجاج" کے خصوصی شمارہ "حضرت یحییٰ پاشاہ عرس نمبر" بابتہ ۷ رجنوری ۱۹۷۸ء م ۲۷ رمحرم ۱۳۹۸ھ جلد ۱۶ شمارہ (۱) میں شائع کروایا تھا۔ ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔

" حیدر آباد میں پولیس ایکشن کے بعد کے حالات آج کے حالات سے کئی گنا خطرناک تھے۔ ملازمین سرکار بالخصوص سررشتہ پولیس سے وابستہ حضرات حواس باختہ تھے۔ تحت تیئے الزامات فرضی میں گرفتار اور جیل بھیج دیئے جا رہے تھے کوئی پرسان حال نہ تھا۔ فوجی حکومت تھی مارشل لا نافذ تھا جس میں سب کچھ روا ہوتا ہے۔ دوسو سالہ نظام حکومت کا امن و اماں درہم برہم ہو گیا تھا۔ خادم اس وقت ضلع اطراف بلدہ (حال ضلع حیدرآباد میں (B. بحد) یعنی راز کا انسپکٹر تھا۔ پولیس ایکشن ہو کر صرف پانچ دن ہوئے تھے۔ انڈین یونین پولیس جائزہ حاصل کر لی تھی نظام اسٹیٹ پولیس انگشت ششم بنی ہوئی تھی۔ معتبر ذرائع سے اطلاع ملی تھی... ایک مقدمہ قتل میں مجھے اعانت قتل کے الزام میں مسٹر نیر بھون داس انسپکٹر خفیہ پولیس میری معطلی خدمت کے احکام حاصل کر لیئے ہیں اور گرفتاری کے لیئے دوسرے دن آرہے ہیں۔ اس وقت میرے لیئے بچاؤ کا صرف ایک ہی

راستہ تھا کہ میں پاکستان فرار ہو جاؤں، ہزاروں فرار ہو چکے تھے۔ لہذا میں نے بھی طے کر لیا کہ صبح پانچ بجے کا چیگوڑہ اسٹیشن سے منماڑ اور وہاں سے بمبئی اور بمبئی سے پاکستان چلا جاؤں، بعد تیاری اپنے مکان سے نکل کر کاچی گوڑہ ریلوے حدود پہنچا تاکہ شب بسری کروں، یکایک خیال آیا کہ پیر و مرشد قبلہ سے قدمبوسی کر لینا بہتر ہے۔ نہ معلوم پھر دیدار نصیب ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ علی الصبح قاضی پورہ شریف پہنچا۔ مسجد میں قبلہ گاہی تشریف فرما تھے۔ مجھے ملاحظ فرما کر حکم دیا کہ فوری وضو بنا کر فجر کی اذان دو، خیر تعمیل کی گئی۔ حضرت قبلہ گاہی نماز میں مصروف ہو گئے اور بعد ختم وظیفہ میں مشغول ہو گئے۔ اس طرح بمبئی ٹرین کا وقت گزر گیا۔ خادم انتہائی پریشان تھا۔ بعد ختم وظیفہ عرض حال کا موقع ملا۔ ارشاد ہوا کہ پاکستان جانے کی ضرورت نہیں۔ فرمایا کہ انڈا جب تک مرغی کے پروں میں رہتا ہے گندا نہیں ہوتا۔ وظیفہ پڑھنے بتایا اور واپسی اور رجوع بہ ڈیوٹی ہونے کا حکم صادر فرمایا۔

حضرت پیر و مرشد قبلہ قدس سرہ سے بوجہ جلال کسی بھی وابستہ دامن کی یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ مزید عرض کرنے کی جرأت کرے یا کسی قسم کا استفسار کرسکے۔ حضرت علیہ الرحمہ صرف ہاں یا نہ فرمادیا کرتے، معتقدین بالکلیہ اس پر عمل

کرنے۔ شان قطبیت کے صدقے کہ کبھی ناکام نہ ہوتے۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ مجھے یقین کامل تھا کہ میری گرفتاری عمل میں آئیگی مگر یہ تعمیل حکم عالی خاموش ہوگیا۔ وقت مقررہ پر دس بجے دن دفتر مہتمم پولس ضلع حیدرآباد (جو باغ عنبر پیٹھ میں ہے) اپنا اجلاس پر پہنچ کرا مشاہدہ دیکھ رہا تھا کہ انسپکٹر نیری بھون داس آئے احکام معطلی اور وارنٹ گرفتاری بتلائے اور فرائض منصبی سے روک دیئے۔

اب تصرف شیخ کامل ملاحظہ ہو۔

اس اثناء مہتمم پولیس یونین مسٹر اریدا موانی بلے کا اردلی آیا اور طلبی کا حکم لایا، بہ اجازت انسپکٹر صاحب حاضر اجلاس ہوا۔ مہتمم پولس نے میری صورت دیکھتے ہی دریافت کیا۔ کیوں پریشان ہے۔ آخر وجہ کیا ہے؟ بمشکل واقعات کا اظہار کیا۔ اس پر انسپکٹر نیر بھون داس کو طلب کیا گیا۔ جو ڈریس میں نہیں تھے مہتمم پولس نے احکام معطلی اور گرفتاری اس سے حاصل کرلئے اور انسپکٹر مذکور کو سرزنش کی کہ میرے دفتر میں بغیر ڈریس آنے کی جرات کیسے ہوئی اور بغیر میرے علم واطلاع ومنظوری یہ حرکت کیسے اور کیوں کر کی گئی۔ یہ میرا (B. سی) معطل ہو سکتا ہے نہ گرفتار، فوری واپس چلے جاؤ ورنہ گولی ماردوں گا۔ پہرے کے کانسٹبل کو طلب کرکے حکم دیا کہ اگر یہ شخص یہاں سے

ہنس گیا تو اس کو فوری گولی ماردو، انسپکٹر داس نے فوری راہ فرار اختیار کی۔ اس کے بعد یہ فرضی منفہ از خود ختم ہوگیا۔ اور بحمد اللہ میں مزید ایک سال تک ضلع حیدرآباد پر بہ حیثیت (D. S.) فرائض انجام دیتا رہا۔

علالت اور وصال

یوں تو آپ کو تبخیر معدہ اور بواسیر کی شکایت زمانے سے تھی۔ جس کی وجہ سے غذا میں ہمیشہ احتیاط فرمایا کرتے۔ اکثر سوائے قیمہ یا دوپیازہ کے کسی ترکاری یا غذا کو استعمال نہ فرماتے معدہ میں اس قدر حرارت تھی کہ پان میں لونگ تک نہ کھا سکتے تھے۔ کبھی غلطی سے کوئی آپ کے پان میں لونگ کوٹ دیتا تو فوری پان تھوک دیتے تھے۔ ومخفی مبادکہ تمام دانت گرجانے کی وجہ سے آپ پان کوٹ کر کھانے لگے تھے۔ کبھی کسی کو خوش کرنے کی خاطر تھوڑی دیر پان منہ میں رکھتے تو بخار آجاتا تھا۔ کمزوری معدہ کی وجہ سے اکثر پتلے دست آیا کرتے۔

ماہ ربیع الاول شریف ۱۳۷۲ھ میں نواب احمد یار جنگ خانت نواب لطف الدولہ جن کو حضرت سے بے حد عقیدت ومحبت تھی اپنے مکان ظفر گڈھ پر بلوایا اور جب آثار شریف کی زیارت کی غرض سے تیسری منزل پر گئے بیان فرماتے تھے کہ جب میں بنگلہ کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا کہ میں ایک

کھٹک سی محسوس ہوئی۔ اس کے بعد درد پیدا ہوگیا۔ پھر وہ درد بڑھتا گیا اور اس قدر بڑھا کہ نشست و برخواست میں مشکل ہونے لگی۔ متعدد ڈاکٹر اور حکیم بلوائے گئے۔ کسی کے علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر مولوی ظہیر الدین احمد مرحوم اکونٹنٹ جنرل حیدرآباد، ڈاکٹر سید عبدالمنان کو لے کر حاضر ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کمر کے منکے خراب ہو جانے کی تشخیص کی، علاج شروع ہوا۔ مگر فائدہ کی صورت نظر نہ آئی، بلکہ اس کے بعد اجابتوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اسی دوران حضرت کے جد امجد حضرت سیدی پادشاہ میاں صاحب قبلہ؂ کا عرس شریف آیا۔ ختم کے روز ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ کو مجلس ہو رہی تھی۔ حضرت مولانا محمد عبدالقدیر علیہ الرحمہ بھی آپ کے بازو بیٹھے ہوئے تھے۔ جب قوال نے یہ شعر گانا شروع کیا ؎

ہم سے کتنے ہی تری راہ میں برباد ہوئے
تو سلامت رہے کوچہ ترا آباد رہے

آپ کو بے حد کیفیت ہوئی، روتے ہوئے حضرت مولانا عبدالقدیر صدیقی سے فرمایا کہ بھائی آپ بھی چلتے ہیں۔ پھر مولانا کے ساتھ حضرت خواجہ محبوب اللہ کے مزار مبارک پر پہنچے۔ اور بہت دیر تک چوکھنڈی مقامے روتے رہے دیکھنے والوں کو صاف و صریح طور پر محسوس ہو رہا تھا کہ آپ

اپنی زندگی سے بیزار سے ہیں. بہر حال بقول شخصے ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

طبعیت مائل بہ صحت ہونے کے دن بہ دن بگڑتی جا رہی تھی یہاں تک ہچکی شروع ہو گئی۔ جو مسلسل چوبیس گھنٹے جاری تھی ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ ہچکی کو عربی میں فواق کہتے ہیں. اور عربی کا ایک مقولہ یاد آیا " الفواق یدل علی الفراق" جو بطور پیش گوئی اپنی جدائی کی جانب اشارہ تھا. میں نے غور سے حضرت کی جانب دیکھا تو گفتگو کا رخ بدل کر فرمایا کہ میں سوچ رہا تھا کہ عربی میں ہچکی کو کیا کہتے ہیں کہ اچانک یہ مقولہ یاد آگیا۔ بڑا تکلیف دہ مرض ہے. اس سے تو موت اچھی معلوم ہوتی ہے. سچ ہے صحت بڑی نعمت ہے.

ماہ جمادی الاول ۱۳۷۲ھ کو صبح ۷ بجے یاد فرمایا. دریافت فرمایا کہ آج کیا تاریخ ہے عرض کیا ۱۹ر تاریخ ہے. تو فرمایا کہ دیکھو حکم ہے کہ ہمیشہ وصیت نامہ لکھ کر سرہانے رکھا کرو تاکہ بعد میں کچھ گڑبڑ نہ ہو. وہ گھریلو معاملات سے متعلق کچھ وصایا فرمائے. اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں اپنے تمام بچوں اور داماد کو خلافت دینا چاہتا تھا. مگر اس کی تکمیل نہ ہو سکی. میرے بعد اس کی تکمیل کر دینا. اور چند پیر بھائیوں سے متعلق ارشاد فرمایا کہ فلاں فلاں اشخاص میں خلافت کی

کی صلاحیت موجود ہے۔ اسی بناء پر حضرت کے صاحبزادگان اور داماد (مولوی میر اکرام الدین علی خاں صاحب) کو حضرت کی فاتحہ سہ یوم کے روز حضرت کی ٹوپیاں پہنائی گئیں۔ اور تعمیل حکم کی سعادت حاصل کی گئی۔

حضرت کے ان وصایا پر گھر کے سب لوگ رونے لگے۔ بالخصوص آپ کی صاحبزادی نے جن کو حضرت بے حد عزیز رکھتے تھے چیخیں مار کر رونا شروع کر دیا۔ یا غوث ان کی بلا کو بھی پرٹال دیجیئے۔ اور ان کو صحت وعافیت عطا فرمائیے پکارنا شروع کیا۔ تو لیٹے ہوئے جو گفتگو فرما رہے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کیا فضول باتیں کرتے ہو' میں نے یہ احتیاطاً نصیحتیں کی ہیں۔ باقی میری طبیعت اچھی ہے۔ اور تھوڑی دیر صاحبزادی صاحبہ کو تسلی دی۔ اس واقعہ سے پریشان ہوکر ہمارے چھوٹے بھائی' مولوی سید محمد قادری صاحب سید سے ملک بیٹھ حضرت مولانا عبد القدیر صدیقی رح کے پاس بھاگے اور حضرت ممدوح کو تمام قصہ سنایا تو حضرت جوش میں بھرے ہوئے قاضی پورہ تشریف لائے۔ آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ملی تو حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا ممدوح رح نے فرمایا پاشاہ میں نے سنا ہے کہ آج آپ نے وصیت وغیرہ فرمائی۔ یہ نہ ہوسکے گا۔ میں آپ کو جانے نہ دوں گا۔ پہلے میں جاؤں گا پھر آپ تشریف

ہے جائیں گے. تو مسکرا دیئے اور دیر تک دونوں بزرگوار باہم مصروف گفتگو رہے. مولانا نے فرمایا کہ میں یہ سنکر بے حد پریشان ہو گیا اور راستہ تمام لڑتے ہوئے آیا ہوں کہ میں تو پاشاہ کو جانے نہ دوں گا. بحمدہ تعالیٰ میرا معروضہ قبول ہو گیا. حضرت نے مولانا علیہ الرحمہ کی واپسی کے بعد فرمایا کہ آج بھائی بے حد جوش میں بھرے ہوئے آئے تھے. یہ میرے حضرت کے دیکھنے والے ہیں. دنیا ایسی ہستیاں پیش نہیں کر سکتی. اور نہ ان کے جیسے مخلص اور چاہنے والے مل سکتے ہیں. پورے گھر میں ایک مسرت کی لہر دوڑ گئی. اور سبھوں نے شکر باری تعالیٰ ادا کیا.

اس واقعہ کے دوسرے روز سید خواجہ رحیم الدین نامی ایک پیر بھائی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے رات میں ایک خواب دیکھا کہ حضرت سیدنا امام نقی رضؓ تشریف فرما ہیں اور آپ سامنے حاضر ہیں. اور سیدنا امام سے کچھ عرض کر رہے ہیں. جو غالباً اپنے جانے سے متعلق ہے. تو سیدنا امامؑ آپ سے فرما رہے کہ میاں! ابھی آپ کی ضرورت ہے اس لئے آپ ابھی جانے کا ارادہ نہ کریں تو آپ سنکر خاموش ہو گئے ـــــ' ان کے اس خواب کو سنکر سکوت اختیار فرمایا. جب انھوں نے مزید دریافت کیا تو فرمایا سفر کے وقت یا زمانہ علالت میں جو فہمی

باندھی جاتی ہے۔ ان ہبیوں سے حضرت سیدنا امام محمد نقیؓ ہی کی فاتحہ دی جاتی ہے۔ اور امام ضامن آپ ہی کو کہا جاتا ہے چونکہ ان دنوں میری علالت کی وجہ سے اکثر لوگ ضامن باندھ رہے ہیں۔ اس لئے حضرت سیدنا امامؓ کی توجہ زیادہ مبذول ہے۔

ایک رات اجابتیں زیادہ ہوگئیں طبیعت خراب تھی مولانا سید محمد بادشاہ حسینی علیہ الرحمہ عیادت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ (حضرت مولانا موصوف کی ہمیشہ عادت رہی کہ جب حضرت کی طبیعت ناساز ہوتی روزانہ برابر مزاج پرسی کو تشریف لایا کرتے اور جب طبیعت زیادہ خراب ہوجاتی تو دن میں ایک سے زائد مرتبہ بھی تشریف لاتے تھے۔ اس زمانہ میں تو روزانہ دو تین مرتبہ تشریف لارہے تھے) تبدیلی علاج کے سلسلہ میں گفتگو ہوتی رہی اور طے پایا کہ حکیم محمد مولانا صاحب مرحوم کا علاج شروع کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا اسی وقت موٹر میں جاکر حکیم صاحب کو ساتھ لائے۔ اور حکیم صاحب کا علاج شروع ہوگیا۔ اور طبیعت سنبھلنے لگی۔ اجابتیں کم ہوئیں۔ کمر کا درد کم ہوا۔ چند روز بعد آپ چلنے پھرنے کے قابل ہوگئے۔ سبھوں نے خوشیاں منائیں۔ حکیم صاحب نے مشورہ دیا کہ سستی زیادہ ہوگئی ہے بہتر ہوگا کہ حضرت نقل مقام فرمائیں اور کسی باغ میں ٹھیریں تو زیادہ

مناسب ہے۔ اس زمانے کے تحت مولانا سید شاہ صابر حسینی علیہ الرحمہ
کے باغ صابر گلشن قریب مسجد ٹولی چوکی قلعہ گولکنڈہ منتقل ہوئے۔
تقریباً ایک ماہ وہاں قیام فرماکر واپس ہوئے۔ عام صحت بالکل
ٹھیک ہوگئی بستی بھی آہستہ آہستہ کم ہوتی جارہی تھی۔ رمضان
شریف کی عید کے بعد اہلِ سلسلہ نے گلپوشی کا قصد کیا۔ آپ سے
عرض کیا تو فرمایا کہ لغویات ہیں۔ اس سے کیا حاصل ہے۔ جب
ہم نے بہ اصرار عرض کیا تو اس کو قبول فرمایا۔ ۱۹ رشوال سنہ ۸۲ھ
کو یہ تقریب انجام پائی۔ سبھوں نے اس خوشی میں حصہ لیا۔ ۲۴ رشوال
سنہ ۸۲ھ کو جب تہجد کے وقت بیدار ہوئے پیر پھسلا اور جھوک
سنبھل نہ سکا گر پڑے اور کولھے کی ہڈی سرک گئی اور پیر
کی ہڈی میں کراک پیدا ہوگیا۔ جراح کو بلوالیا گیا۔ کولھے کی ہڈی
بٹھا دی گئی۔ اور پیر کا علاج بھی شروع ہوا۔ چند روز میں
ف۔ رہے آرام ہوا آپ کرسی پر بیٹھنے لگے۔ مگر چلنے پھرنے
کے موقف میں نہ تھے۔ چنانچہ ۱۹ ر ذی قعدہ سنہ ۸۲ھ کو حضرت
خواجہ محبوب اللہؒ کے عرس میں چراغوں کے روز کرسی پر بیٹھے
مسجد میں تشریف لائے۔ تھوڑی دیر تشریف رکھے۔ بعد
میں پھر طبیعت خراب ہوئی، پیر متورم ہوگیا۔ بیٹھنے کے موقف
میں بھی نہ رہے۔ جب اس طرح صحت بگڑنے لگی۔ تو ہمارے
چھوٹے بھائی، مولوی سید محمد قادری صاحب، حضرت مولانا

شاہ محمد عبد القدیر صدیقیؒ کے پاس پہنچے اور توجہ دلائی۔ مولانا نے فرمایا میاں! میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں ہر چند رد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مگر بادشاہ جانے پر بالکل تلے ہوئے ہیں۔ اس لئے میں مجبور ہوں۔ اخی محترم مولانا محمود عبد الصبور صدیقی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے چچا حضرت یعنی حضرت مولانا عبد القدیر صدیقیؒ سے سنا کہ فرمایا کہ میں انتقال سے دو تین روز قبل سے بادشاہ کو دیکھ رہا تھا کہ فرما رہے ہیں بھائی! میں اب جا رہا ہوں آپ کوشش نہ فرمائیں۔ چنانچہ طبیعت بگڑتی گئی۔ پھر سابقہ شکایت عود کر آگئی۔ ہچکی شروع ہوئی۔ تو بے ہوشی طاری ہو گئی۔ تین روز مکمل بے ہوشی رہی۔ اس بے ہوشی کے زمانہ میں ڈاکٹر ضیاء الحق قادری الجیلانی صاحب نے گلوکوز دینا شروع کیا۔ چونکہ یہ انجکشن رگ میں دیا جاتا ہے۔ ہاتھ کی رگ تلاش کی جا رہی تھی تو آپ نے عالم بے ہوشی میں ہاتھ کے اشارہ سے منع فرمایا۔ چونکہ معاملہ علاج کا تھا ڈاکٹر صاحب نے رگ ڈھونڈھ کر گلوکوس چڑھایا۔ ان کے جانے کے بعد مجھ سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہو رہا تھا۔ عرض کی کہ گلوکوز چڑھا رہے ہیں۔ یہ سنکر خاموش ہو گئے۔ اور پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ برادرم مولوی سید محمد قادری صاحب بیان کرتے ہیں کہ دم انتقال کی رات تقریباً دس بجے گلوکوز کا ایک

شیشہ ختم ہو گیا۔ ڈاکٹر ضیار الحق صاحب دوسرا شیشہ چڑھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور پھر رگ ملنے میں دشواری ہونے لگی۔ انھوں نے ہاتھ پر دو تین جگہ انجکشن کی سوئی چبھو کر کوشش کی، حضرت قبلہ اگرچہ بے ہوش تھے۔ مگر تکلیف محسوس کی، اور اشارہ سے منع کر دیا۔ میں ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب حضرت کو تکلیف ہو رہی ہے جانے دیجئے"
بالآخر ۳ ربیع صفر ۱۳۷۳ھ روز سہ شنبہ بوقت ۲ ساعت شب اس آفتاب ہدایت نے موت کے بادل میں ہمیشہ کے لئے اپنا منہ چھپالیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔
گھر میں ایک شور مچ گیا۔ بجلی کی طرح یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ رات ہی سے جوق در جوق لوگ جمع ہونے لگے۔ ہر شخص سوگوار اور ہر آنکھ اشکبار تھی، ہر ایک کی زبان پر یہی تھا کہ ہائے افسوس! آفتاب غروب ہو گیا۔

حضرت نے اپنے مدفن کے لئے پہلے ہی سے ایک زمین مصری گنج میں پائیگاہ آسمان جاہی سے لے رکھی تھی۔ اور اس کا نام خود ہی "ریاض مدینہ" تجویز فرمایا تھا۔ اپنے زمانہ حیات میں بعض متعلقین اور مریدین کو وہاں دفن بھی کیا تھا۔ مگر آپ کے چھوٹے صاحبزادے اور صاحبزادی کا اصرار تھا کہ آپ کو حضرت خواجہؒ کے پائین میں قاضی پورہ میں دفن کیا جائے۔

بالآخر یہ معاملہ بحر العلوم حضرت مولانا عبد القدیر صدیقی اور شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی رح کے پاس پیش کیا گیا۔ تو دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ ہم کو اس سے اختلاف نہیں ہے اگرچہ خاندان کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اب قاضی پورہ میں سلسلۂ تدفین جاری نہ رہے گا۔ مگر حضرت کا معاملہ خصوصی ہے ان کی حد تک کسی کو اختلاف نہیں۔ ہم بخوشی اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ہم نے آپس میں پھر غور کیا کہ اگر حضرت کو یہاں دفن کیا جاتا ہے۔ تو ہمارا کیا ہوگا۔ ہم حضرت کے پائین میں دفن نہ ہوسکیں گے۔ بڑی حجت و تکرار کے بعد طے ہوا کہ حضرت ہی کی جانب رجوع کریں۔ چنانچہ سب کے اتفاق سے شیخ الاسلام رح کو منتخب کیا گیا کہ وہ اپنے کشف کے ذریعہ حضرت کا منشاء معلوم کریں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ خود حضرت کا منشاء بھی "ریاض مدینہ" میں دفن کا ہے۔ تو پھر آپ کی تدفین کا سلسلہ شروع ہوا۔

ظہر کی نماز کے بعد نماز جنازہ مسجد النور قاضی پورہ میں ہی ادا کی گئی۔ نماز جنازہ میں اتنا کثیر مجمع تھا کہ احاطہ مسجد بھر کر راستوں پر تمام لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ یہاں سے براہ شاہ علی بنڈہ، چارمینار جلوس جنازہ مصری گنج کی جانب روانہ ہوا۔ جلوس جنازہ میں اتنا اژدحام تھا کہ

ہر طرف انسانی سروں کا سیلاب نظر آرہا تھا۔ جنازہ کو کندھا دینا انتہائی دشوار تھا۔ جس راستہ سے جلوس گذر رہا تھا اس راستہ کے تمام دوکاندار بلا لحاظ مذہب و ملت تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے۔ راستہ کی تمام دوکانات اور شاہراہوں پر جلوس کو دیکھنے والوں کا کثیر اژدھام تھا جس کی وجہ راستہ ملنا دشوار تھا۔ قاضی پورہ سے چوک پہنچنے تک عصر کا وقت ہوگیا۔ مسجد چوک میں ہزاروں آدمی جمع تھے اور نماز جنازہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جنازہ مسجد چوک میں لے جایا گیا۔ اور بعد عصر مکرر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ یہاں سے براہ شاہ گنج دیوڑھی اقبال الدولہ جنازہ کا جلوس فتح دروازہ مسجد محمد شکور مرحوم تک پہنچا تھا کہ مغرب کی اذان ہوگئی۔ یہاں نماز مغرب ادا کی گئی۔ اور لوگوں کی خواہش پر بعد نماز تیسری مرتبہ نماز ادا کی گئی۔

اس کے بعد تقریباً ۸ بجے شب جلوس جنازہ ریاض المدینہ پہنچا۔ ریاض مدینہ کا پورا احاطہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ بڑی مشکل سے میت منبر تک لائی گئی۔ اس موقعہ پر بے ساختہ زبان پر یہ شعر آجاتا ہے ؎

سب کا مرجع بن گیا ہے سب کو ٹھکرانے کے بعد
زندگی پائی کسی نے تربت مرجانے کے بعد

احمدی خانم نامی ایک ضعیفہ جن کو حضرت سید عمر صاحب قبلہ

علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ اور قاضی پورہ ہی میں رہتی تھیں بیان کرتی تھیں کہ جب جنازہ قاضی پورہ سے روانہ ہو گیا تو ہم محلہ کی چند عورتوں نے بعض کی گنبج کا رخ کیا تاکہ دفن کے موقع پر حاضر رہ سکیں، دیکھا تو پہلے سے سینکڑوں مرد اور خواتین جمع تھے۔ میں اور میری ساتھی عورتیں بھی ایک طرف بیٹھ گئیں۔ نماز مغرب کے بعد دیکھا کہ ایک صاحب منہ پر ڈھانٹا باندھے یہ کہتے آرہے ہیں کہ "ہٹ جاو ہٹ جاؤ خصوصًا عورتیں ہٹ جاؤ" لوگ کثرت سے ہیں۔ ان کی آواز بالکل حضرت کی آواز جیسی تھی۔ اور ان کے رومال کا رنگ اور وضع ویسی ہی تھی جیسی وضع اور رنگ کا رومال حضرت کو انتقال کے وقت باندھا گیا تھا۔ وہ ہم سے یہ فرماتے ہوئے آگے بڑھے اور پھر کبھی دکھائی نہیں دیئے سچ ہے بزرگان دین زندہ جاوید ہوتے ہیں۔

رات میں ۸ بجے کے بعد تدفین عمل میں آئی۔

چونکہ حضرت حنبلی المشرب تھے۔ اور حنابلہ کے پاس فاتحہ سویم چوتھے روز ہوتی ہے۔ اس لئے ۷ رصفر ۱۳۷۲ھ روز شنبہ آستانہ خواجہ محبوب اللہ قاضی پورہ میں بعد نماز فجر فاتحہ سویم کا اعلان ہوا اور ۶ رصفر بروز جمعہ کو بعد نماز جمعہ مکہ مسجد میں ختم قرآن مجید ہوا۔ جس

میں ہزار ہا افراد نے شرکت کی۔ ۷ رصفر کو نماز صبح کے ساتھ ہی عقیدت مندوں کا اجتماع شروع ہو گیا۔ اگرچہ احاطہ درگاہ شریف قاضی پورہ میں شامیانے لگائے گئے تھے اور باہر کی سڑک اور متصلہ چبوترے پر بھی شطرنجیاں بچھائی گئی تھیں۔ لیکن یہ انتظام ناکافی معلوم ہو رہا تھا۔ تقریباً دس بجے ختم ہوا۔ اور اس کے بعد حضرت مولانا عبد القدیر صدیقی رح و حضرت مولانا سید شاہ محمد باقر حسینی رح نے دستار بندی کی، سب سے پہلے حضرت مولانا عبد القدیر صدیقی رح نے جانشینی کی نذر دی۔ آپ کے بعد صاحبزادگان حضرت قبلہ علیہ الرحمہ و دیگر افراد خاندان نے جو اس سلسلہ سے وابستہ ہیں نذریں پیش کیں جن میں قابل ذکر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری رح، مولانا سید مسیح الدین علی حسینی قادری سجادہ نشین درگاہ شریف اولیا باغ ہیں۔ اور سب سے آخر پر مہنت مہاراجہ پورن داس جی (حسینی علم مٹھ) نے نذرانہ پیش کیا۔ اس طرح یہ تقریب ۱۱ بجے ختم ہوئی اور طعام و طعام کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو ظہر تک جاری رہا۔

بلا لحاظ مذہب و ملت حیدرآباد کے ہر فرد کی زبان پر یہی تھا کہ افسوس حیدرآباد نے بڑی زبردست ہستی کو

کو کھو دیا اور دکن کا آفتاب غروب ہوگیا ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

فاتحہ سریوم کے روز حضرت کے داماد نواب میر اکرام الدین علیخان صاحب نے حضرت خواجہ محبوب اللہ کو خواب میں دیکھا کہ مصری گنج ریاض مدینہ میں تشریف فرما ہیں تو یہ حضرت سے عرض کر رہے ہیں کہ حضرت آپ یہاں تشریف فرما ہیں۔ تو جواب دیا کہ میں آج تین روز سے یہیں ہوں۔ صبح میں موصوف نے اپنا خواب بیان کیا۔ اس خواب سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت قبلہ میں اور حضرت خواجہ میں کوئی جدائی نہیں ہے۔ اور یہ ان کے اس ملال کا جواب تھا جو حضرت کی تا صنی پورہ میں تدفین عمل میں نہ آنے کی وجہ پیدا ہوا تھا۔

ریاض مدینہ مصری گنج کی ویرانی کا یہ حال تھا کہ حضرت کی تدفین سے پہلے وہاں دن میں بھی مکمل سناٹا رہتا تھا۔ اور لوگ رات ابتدائی حصہ میں بھی وہاں جانے سے گھبراتے تھے۔ قسم قسم کے واقعات اور توہمات اس علاقہ سے متعلق مشہور تھے۔ لیکن جس تاریخ سے حضرت یہاں تشریف فرما ہوئے ساری وحشت دور ہوگئی۔ اور سہانا پن پیدا ہوگیا۔ بالخصوص احاطہ ریاض مدینہ میں تو اس غضب کی

جاذبیت ہے کہ وہاں جانے کے بعد اٹھنے کو جی نہیں چاہتا ہے

جس نے پکڑا پھر نہ چھوڑا سنگ در دربار کا
کیا سہانا آستانہ ہے میرے سرکار کا

اس دلکشی اور جاذبیت کے اپنے پرائے سب ہی قائل ہیں متعدد اصحاب نے حاضر ہونے کے بعد محسوس کیا اور ہم سے بھی بیان کیا۔ یہ رُیاض مدینہ پر مدینہ والے سرکار کی توجہ اور فیضان کا نتیجہ ہے۔

آپ کے محل ہیں اور اولاد

آپ کی شادی ۱۳۲۱ھ میں حضرت میمونہ بیگم صاحبہ دختر حضرت علامہ سید شاہ غلام غوث شطاری علیہ الرحمہ سے ہوئی۔ حضرت علامہ بلدہ حیدرآباد کے جید عالم دین اور ممتاز مشائخ سے تھے۔

حضرت میمونہ بیگم صاحبہ فطرتاً بے حد نیک متقی اور خلیق تھیں۔ حضرت سیدی عثمان میاں صاحب قبلہؒ کے بعد حضرت کی صاحبزادی جب آپ کی زیر نگرانی آئیں تو ان کے ساتھ آپ کا برتاؤ بالکل ویسا ہی رہا جیسا کہ ایک حقیقی ماں کا اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ صاحبزادی کا ہر وقت بے حد خیال رکھتیں اور کسی بات سے ان کو یہ احساس نہ ہونے دیتی تھیں ماں باپ کا سایہ ان کے سر پر نہیں ہے۔

مریدین کے ساتھ بھی آپ کا برتاؤ بہت اچھا تھا. ضعیف عورتوں کا بے حد خیال رکھتی تھیں. قرابت داروں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک فرمایا کرتیں.

تواریخ کے مواقع پر جب کبھی نیاز کی پخت ہوتی تو اپنی ذاتی نگرانی میں پوری صفائی کے اہتمام سے کام کی تکمیل کرواتیں اور جب تک کام مکمل نہ ہو جائے سامنے سے نہیں ہٹتیں.

آپ اپنے جد امجد حضرت شیخن صاحب قبلہ قدس سرہ سے بچپن ہی میں بیعت ہوئی تھیں لیکن زمانہ علالت میں جب کہ آپ کی طبیعت بے حد خراب ہوئی اور آپ زندگی سے مایوس ہوگئیں تو حضرت سے فرمایا کہ میرا ایک عرصہ سے خیال تھا کہ تجدید بیعت کروں، کیونکہ میری بیعت بچپن میں ہوئی تھی. مگر فقط اس خیال سے کہ میاں بیوی کے تعلقات کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ آداب کو ملحوظ رکھنا دشوار ہو جاتا ہے. اور مرشد کے آداب بہت زیادہ ہیں. میں نے اپنے خیال کی تا حال تکمیل نہیں کی. مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میرا وقت قریب آگیا ہے. لہٰذا آپ اس کی بھی تکمیل فرما دیں تو مناسب ہوگا. چنانچہ انتقال سے دو روز قبل آپ نے تجدید بیعت کی.

آپ کا انتقال ۳۰ رجمادی الاول ۱۳۸۱ھ کو بوقت ۱۰ساعت بمقام قاضی پورہ ہوا. اور آپ کی تدفین آپ کی حسب خواہش

حضرت خواجہ محبوب اللہ رح کے پائین میں عمل میں آئی۔
آپ کے انتقال کے بعد حضرت نے دوسرا عقد نہیں فرمایا۔ بلکہ تمام اولاد صرف حضرت میمونہ بیگم صاحبہ ہی کے بطن سے ہے۔ آپ کی اولاد میں چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی جن کی تفصیل درج ذیل ہے موجود ہیں۔

۱۔ سید محی الدین حسینی قادری

ولادت ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۲۴ھ بوقت تراویح ہوئی۔ اسی لئے عرفیت چاند پاشاہ قرار پائی۔ ابتدائی تعلیم حضرت قبلہ قدس سرہ اور عم محترم مولانا سید شاہ محمد باقر حسینی رح کے پاس ہوئی۔ ابھی گلستان سعدی و دیوان حافظ وغیرہ تک تعلیم ہوئی تھی کہ حفظ قرآن کا شوق پیدا ہوا۔ تمام تعلیم روک دی گئی۔ ۱۹۳۹ھ میں مدرسہ حفاظ مکہ مسجد میں شریک کروایا گیا۔ ۱۳۴۲ھ میں حفظ ختم ہوا۔ اس کے بعد پھر عربی فارسی تعلیم کا آغاز ہوا۔ عم محترم حضرت مولانا سید شاہ محمد مسعود قادری علیہ الرحمہ نے بطور خاص توجہ فرماکر ابتدائی تعلیم پھر شروع کی۔ امتحان مولوی، سررشتہ تعلیمات کامیاب کیا۔ اور جامعہ نظامیہ سے مولوی عالم تک تعلیم پائی۔ اس کے بعد ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور خانگی پر تعلیم جاری رہی۔ منشی فاضل کے کورس کے ساتھ تفسیر جلالین و مشکوٰۃ شریف

عم محترم مولانا سید قطب الدین حسینی محمودیؒ اور حدیث، تصوف و منطق کی کتابیں بحر العلوم حضرت مولانا محمد عبد القدیر صدیقیؒ سے پڑھیں، کم عمری میں قرأت سیدنا امام حفصؒ حضرت مولانا شاہ محمد عبد العزیز صدیقیؒ کے پاس پڑھی تھی بعد سیدنا امام عاصم کوفی کی روایت حضرت حافظ محمد عبد الرحیم سے پڑھی۔ اور قرأت سبعہ عشرہ کی تکمیل امام القراء حضرت قاری میر روشن علیؒ کے پاس کی، حضرت امام القراء نے "معین القراء" کا خطاب عطا فرمایا۔ خطاطی کا شوق ہوا تو حضرت میر حشمت علی قادر رقم کے پاس قطعات تک مشق کی۔ فنون سپہ گری حضرت مولانا عبد القدیر صدیقیؒ سے سیکھے۔ شعر و سخن سے بھی دلچسپی رہی۔ اور کبھی کبھی کچھ شعر موزوں کر لئے ہیں بیعت و خلافت حضرت ہی سے ہے۔ پہلی شادی فاطمہ امنۃ الخالق بنت مولانا شاہ محمد عبد المقتدر صدیقیؒ سے سنہ ۱۳۵۰ھ میں ہوئی۔ ان کے بطن سے اس وقت دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔

۱۔ سید محمد صدیق حسینی عارف قادری۔ جامعہ نظامیہ سے مولوی فاضل اور جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے کامیاب کیا۔ قرأت سیدنا عاصم امام القراء قاری میر روشن علی سے اور مجھ سے پڑھی۔ اور آج کل دائرۃ المعارف العثمانیہ میں کام کر رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۶۲ء میں قادر النساء میمونہ بنت نواب میر اکرام الدین علی خاں

صاحب قادری سے شادی ہوئی۔

۲۔ برکت النساء نفیسہ زوجہ سید پرورش علی قادری ناطق ابن مولانا سید محمد ابراہیم حسینی۔

۳۔ سید ابو عبداللہ الحسین شہنشاہ قادری۔ نظامیہ طبیہ کالج سے طب یونانی میں گریجویشن اور جامعہ عثمانیہ سے بی۔اے کی سند حاصل کی آج کل مرکزی حکومت کے زیر انتظام ادارہ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف میڈیسن میں ریسرچ کر رہے ہیں۔ آپ کی شادی امتہ العلی حیدری بیگم بنت حضرت مولانا سید شاہ عبدالوہاب شطاری ؒ سے ہوئی تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سید غوث علی سعید احمد حسینی ۲۔ سید ابوالصفا طاہر ماہر حسینی

۳۔ بادشاہ بیگم سعدیہ ۴۔ فائق النساء ہادیہ

۵۔ سید قادر محی الدین مزمل حسینی

پہلی بیوی فاطمہ امتہ الخالق بنت حضرت محمد عبدالمقتدر صدیقی ؒ کے بعد دوسری شادی وحید النساء بیگم بنت حضرت مولانا سید شاہ محمد حسن قادری سے ۱۳۶۲ھ میں ہوئی۔ ان کے بطن سے حسب ذیل اولاد ہے۔

۱۔ سید محمد عبدالقادر حسینی :۔ جامعہ عثمانیہ سے ایم۔اے کیا۔ اب سرکاری کالج میں لکچرر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

اور جامعہ عثمانیہ ہی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں۔ ۱۹۷۴ء
میں امتہ العزیز زبیدہ بنت مولانا سید شاہ عبدالرزاق
جعفر الموسوی سے شادی ہوئی ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں
۱۔ سید محمد قطب سعید ذکریا حسینی ۲۔ امتہ المجتبیٰ شافیہ
۳۔ امتہ النعیم عافیہ۔

۲۔ سید محمد برکت اللہ حسینی :۔ جامعہ عثمانیہ سے بی کام کیا۔
اور آج کل . . . . صلالہ میں سلطنت عمان کی وزارت مواصلات
میں کام کرتے ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں عثمان النساء محمودہ بنت مولانا
سید شاہ ابراہیم حسینی قادری سے شادی ہوئی ایک لڑکی
زہرا فاطمہ تولد ہوئی ہے۔

۳۔ سید خواجہ محمد نقی حسینی :۔ جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے
کامیاب کیا۔ آج کل حکومت کے محکمہ صنعت سے وابستہ ہیں۔
۱۹۸۲ء میں حکیم سید فضل اللہ حسینی جعفری کی لڑکی خیر النساء
کبریٰ سے شادی ہوئی۔ ایک لڑکی اسلٰی نجیبہ تولد ہوئی ہے

۴۔ سید ہبتہ اللہ حسینی :۔ نظام کالج میں بی۔ اے تک
تعلیم حاصل کی۔ آج کل ریاض (سعودی عرب) میں مقیم اور
ملازم ہیں۔ قرأت سیدنا عاصمؒ مجھ سے پڑھی۔

۵۔ سید سعید الدین حسینی حاذق :۔ جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے
کر لینے کے بعد آج کل جدہ سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ قرأت

سیدنا عاصمؒ مجھ سے پڑھی۔

۶۔ کنیز فاطمہ اصفیہ :- زوجہ سید حامد محمد قادری افتخار ابن مولانا سید محمد قادری۔

۷۔ امۃ المصطفیٰ عطیہ :- زوجہ سید غلام محمد بکیس نواز حسینی ابن مولانا سید محمد عثمان حسینی صاحب۔

۸۔ امۃ العائشہ ذکیہ :- زوجہ میر مجتبیٰ علی خاں فرزند نواب میر عباس علی خاں مرحوم سے شادی ہوئی، جدہ سعودی عرب میں مقیم ہیں۔

۹۔ امۃ الخدیجہ سعیدہ :- غیر شادی شدہ

۱۰۔ سید محمد عبداللہ صفی حسینی :- انٹرمیڈیٹ میں زیر تعلیم ہے

۲۔ سید محمد ابراہیم حسینی قادری

آپ ۱۹ر جمادی الاول ۱۳۲۶ھ کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم حضرت مولانا سید محمد مسعود قادریؒ کے پاس ہوئی۔ بعد میں مدرسہ حفاظ مکہ مسجد میں شریک ہوکر ۱۳۴۳ھ میں حافظ قاری مولوی عبدالحی مرحوم صدر مدرسہ حفاظ کی نگرانی میں حفظ کی تکمیل کی پھر سررشتہ تعلیمات کے امتحان مولوی میں شریک ہوئے۔ جامعہ نظامیہ سے مولوی فاضل کی تکمیل کی۔ تصوف، تفسیر، حدیث، کلام، منطق حضرت مولانا محمد عبدالقدیر صدیقیؒ

پڑھی، قرات سیدنا حفص رح کی تعلیم کی ابتدا، حضرت قاری شاہ محمد عبد العزیز صدیقی رح کے پاس ہوئی۔ حضرت قاری محمد عبد الرحیم کے پاس قرأت سیدنا امام عاصم کوفی رح کی تکمیل ہوئی۔ پھر قرأت عشرہ کی تکمیل حضرت امام القرا، میر روشن علی حسینی رح کے پاس فرمائی۔ امام القرا، نے آپ کو "امین القراء" کا خطاب دیا۔ خطاطی میں قطعات تک میر حشمت علی نادر رقم کے پاس مشق کی۔ فنون سپہ گری میں حضرت مولانا عبد القدیر صدیقی رح سے استفادہ کیا۔ شعر و سخن کا بھی ذوق ہے۔ واثق تخلص کرتے ہیں۔ بیعت و خلافت حضرت قبلہ ہی سے ہے۔ آپ کی پہلی شادی امۃ الرحیم مرشد بیگم بنت حضرت مولانا سید شاہ فضل الرحمٰن شطاری رح سے ۱۳۵۴ھ میں ہوئی۔ مولانا سید فضل الرحمٰن رح حضرت العلامہ سید غلام غوث شطاری رح کے صاحبزادے اور حضرت العلامہ سید محمد اعظم حسینی قادری قبلہ رح کے داماد تھے۔

پہلی بیوی کے بطن سے حسب ذیل اولاد ہے

۱۔ سید پرورش علی حسینی قادری :- انٹرمیڈیٹ تک تعلیم گورنمنٹ سٹی کالج میں اور عربی تعلیم لطیفیہ عربی کالج میں حاصل کی۔ مجھ سے قرأت سیدنا امام عاصم رح کی سند لی۔ محکمہ بلدیہ میں ملازم ہیں۔ میری لڑکی برکت النساء نفیسہ سے ۱۹۶۲ء میں شادی ہوئی۔ اولاد میں دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ ا۔ سید

خواجہ علی سعید مدنی ۲۔ سید محمود علی حبیب ۳۔ تاج النساء قمر

۲۔ سید محمد الحسینی قادری :۔ چادر گھاٹ کالج سے تعلیم کی تکمیل کے بعد کچھ دن سرکاری ملازمت کی۔ پھر دو مدرسے نظام بوائیز ٹاؤن میرم اور برکت بوائیز ٹاؤن لال دروازہ میں چلا رہے ہیں۔ رحمت النساء سکینہ بنت نواب اکرام الدین علی خان سے ۱۹۶۶ء میں شادی ہوئی۔ دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔ ۱۔ طہیر النساء مرشد بی ۲۔ سید احمد الحسینی سعید ۳۔ قطب النساء رؤفہ

۳۔ سید غلام غوث قادری :۔ دینی اور سماجی کارکن کی حیثیت سے مختلف تنظیموں سے وابستہ ہیں۔ اور اشاعت تعلیم کے لئے ——— چار مدارس' حاذق بوائیز ٹاون کے نام سے ٹپہ چبوترہ سنگ حوض' قلعہ گولکنڈہ اور آصف نگر میں چلا رہے ہیں ۱۹۶۹ء میں محمدی بیگم ممتاز بنت محمد فخر الدین مرحوم صدر قاضی قلعہ گولکنڈہ سے شادی ہوئی۔ ان سے چار لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں۔ ۱۔ رحیم النساء صادقہ ۲۔ حامد النساء خدیجہ ۳۔ غوث النساء سلمیٰ ۴۔ سید غلام صمدانی عرف علی ۵۔ صدیق النساء رشیدہ ۶۔ سید غلام نادر عرف قطب۔

۴۔ سید محمد اسماعیل حسینی قادری :۔ جدہ سعودی عرب میں مقیم و ملازم ہیں۔ لطیفیہ عربی کالج سے بی او ایل تک تعلیم پائی ہے۔ ۱۹۷۲ء میں احمد النساء صدیقہ بنت حکیم سید اختر حسین

مرحوم سے شادی ہوئی۔ دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔
۱۔ سعید النساء طاہرہ ۲۔ فائقہ اسحٰق ۳۔ عزیز النساء
۴۔ امتہ الکریم ساجدہ :۔ ۱۹۷۰ء میں سید حیدر ولی اللہ
قادری سے شادی ہوئی۔ دو لڑکے ہیں ۱۔ سید بابا محی الدین احمد
۲۔ سید غوث محی الدین قطب۔ مولانا سید محمد ابراہیم حسینی
نے پہلی بیوی کے انتقال کے بعد ۱۳۹۶ھ میں محی الدین صاحبہ
بنت سید شاہ نصیر الدین نبیرہ قادری سے دوسری شادی کی۔
جن سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں۔
۱۔ سید غلام محمد یحییٰ ناصر قادری :۔ بی ایس سی تک تعلیم پائی آج کل
جدہ سعودی عرب میں ملازم ہیں۔
۲۔ عثمان النساء محمودہ زوجہ سید محمد برکت اللہ حسینی ابن
سید محی الدین حسینی قادری۔
۳۔ ولایت النساء نصیبہ (غیر شادی شدہ)
۴۔ سید مرتضیٰ تاج الدین صدر قادری :۔ ۱۹۷۷ء میں حفظ قرآن
مجید کی تکمیل کی۔ اس وقت انٹرمیڈیٹ میں زیر تعلیم ہیں۔

۳۔ حکیم سید محمد عثمان حسینی

آپ ۱۳۳۴ء میں تولد ہوئے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم

پانے کے بعد جامعہ نظامیہ سے مولوی فاضل کی سند حاصل کی۔ نظامیہ طبی کالج سرکار عالی سے پوسٹ گریجویشن کی سند حاصل کی۔ قرأت سیدنا امام عاصم کوفی رح کی تکمیل حضرت امام القراء قاری میر روشن علی الحسینی رح کے پاس کی۔ شعر و سخن سے دلچسپی ہے۔ ذکی تخلص فرماتے ہیں۔ فنون سپہ گری میں مولانا سید شاہ قطب الدین حسینی محمودی رح اور مولانا شاہ محمد عبد القدیر صدیقی رح سے استفادہ کیا۔ نظامیہ طبی کالج میں پروفیسر یونانی اور صدر شفا خانہ یونانی چارمینار میں ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے کارکرد رہے۔ وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوشی کے بعد گھر پر مطب کرتے ہیں۔ آج کل آپ ہی مجلس علمائے دکن کے معتمد ہیں۔ بیعت و خلافت حضرت ہی سے ہے۔ آپ کی شادی ۱۹۴۸ء میں امۃ الجبار صاحبہ دختر حضرت مولانا حافظ سید عبد الوہاب شطاری رح سے ہوئی جن سے حسب ذیل اولاد ہوئی۔

۱۔ سید غوث محی الدین حسینی :۔ جامعہ عثمانیہ سے ایم۔ اے کیا سرکاری محکمہ کمرشیل ٹیکس میں ملازم ہیں۔ قرأت سیدنا عاصم رح کی سند مجھ سے حاصل کی۔ سیدہ شوکت النساء قدیر بنت مولانا ابو الفضل سید محمود قادری سابق سشن جج سے ۱۹۸۰ء میں شادی ہوئی۔ ایک لڑکی مسماۃ امۃ المحبوب مہدی بیگم عرفیت تحسین ہے۔

۲۔ سید غلام محمد بکس نواز حسینی :۔ جامعہ عثمانیہ سے

ایم۔ اے کرنے کے بعد آج کل جدہ سعودی عرب میں ملازم ہیں۔ میرے پاس قرأت سیدنا عاصمؒ کی تکمیل کی۔ میری لڑکی مسماۃ امۃ المصطفیٰ عطیہ ان سے منسوب ہوئی۔

۳۔ سید خواجہ ظہیر الدین یحییٰ حسینی:۔ ۱۹۷۷ء میں حفظ قرآن مجید کی تکمیل کی۔ جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے کیا۔ ابھی تعلیم جاری ہے۔ قرأت مجھ سے پڑھی ہے۔

۴۔ سید محمود صفی اللہ حسینی وقار:۔ اچھے مقرر ہیں۔ بی۔ اے میں زیر تعلیم ہیں۔ تجارت میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ قرأت سیدنا عاصم کی سند مجھ سے حاصل کی۔

۴۔ سید محمد قادری

آپ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ میں تولد ہوئے۔ مدرسہ دارالعلوم سے میٹرک کرنے کے بعد منشی فاضل کیا۔ صنعت و تجارت سے دلچسپی ہوئی۔ تو آلوین فیکٹری میں صنعتی تعلیم حاصل کی۔ اور محبوبیہ میٹل فیکٹری قائم کی۔ پولیس ایکشن کے بعد ملازمت اختیار کی۔ اور حکومت آندھرا پردیش کے گزیٹڈ عہدہ دار ہیں۔ عربی کی تعلیم مولانا محمود عبدالصبور صدیقی سابق استاذ جامعہ نظامیہ سے پائی۔ مرکزی انجمن قادریہ

کے صدر ہیں۔ اور جنوبی ہندوستان میں دینی تعلیم کی اشاعت کے لئے کوشاں ہیں۔ اس انجمن کی جانب سے ہر سال امتحانات دینیات فقہ و عقائد منعقد ہوتے ہیں۔ ایک دینی تعلیمی ریلی نکالی جاتی ہے۔ دینی تعلیمی ٹرسٹ قائم کیا۔ بیعت و خلافت حضرت قبلہ ہی سے ہے۔ ۱۹۵۸ء میں شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینیؒ کی صاحبزادی رشید فاطمہ حفصہ سے شادی ہوئی۔ جن سے ایک فرزند سید حامد محمد قادری افتخار

۱۔ سید حامد محمد قادری افتخار :۔ جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے تک تعلیم پائی۔ سبلائم پرنٹرس کے نام سے ایک ذاتی پریس چلا رہے ہیں۔ میری لڑکی کنیز فاطمہ صفیہ ان کو ۱۹۷۲ء میں بیاہی گئی۔ اولاد میں ایک لڑکی اور تین لڑکے ہیں۔

۱۔ مریم فاطمہ مبین ۲۔ سید علی محمد تاجدار ۳۔ سید حبیب محمد ذوالفقار ۴۔ سید حسین محمد یحییٰ بختیار۔

۵۔ قمر النساء صفیہ

محرم ۱۳۲۱ھ میں تولد ہوئیں۔ تعلیم و تربیت حضرت ہی نے فرمائی۔ حضرت ہی سے بیعت ہے۔ نواب میر اکرام الدین علی خان فرزند نواب میر خیر الدین علی جاگیردار مرحوم سے منسوب

ہوئیں، نواب اکرام الدین علی خاں صاحب نیک و متقی ہیں، علی گڑھ سے بی۔ اے کرنے کے بعد پہلے تجارت پھر منسلک ملازمت رہے۔ اسسٹنٹ سکریٹری وزارت داخلہ حکومت آندھرا پردیش سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ اب اسپیشل پرنٹنگ پریس کے مالک ہیں۔ بیعت و خلافت حضرت قبلہؒ ہی سے ہے۔ اولاد میں تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔

۱۔ قادر النساء میمونہ:۔ میرے بڑے فرزند سید محمد صدیق حسینی عارف سے منسوب ہوئیں۔

۲۔ رحمت النساء سکینہ:۔ سید محمد الحسینی صاحب فرزند مولوی سید شاہ محمد ابراہیم حسینی صاحب سے منسوب ہوئیں۔

۳۔ نعمت النساء آمنہ:۔ سید معین اللہ حسینی الملتانی سے منسوب ہوئیں، ایک لڑکا سید احمد حسینی یحییٰ ہے۔

۴۔ سید خواجہ محی الدین عرف محمد میاں:۔ جامعہ عثمانیہ سے بی بس سی کرلینے کے بعد اب والد کے ساتھ پرنٹنگ پریس چلاتے ہیں۔

آپ کے خلفاء

آپ خلافت کے معاملہ میں بیحد محتاط تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب تک مجھے دو تین مرتبہ صاف و صریح حکم نہ ملا میں نے کسی کو خلافت نہیں دی۔ اس طرح آپ نے مریدین میں سے صرف چھ اصحاب کو خلافت دی۔ ان میں سے کسی نے بھی بیعت کے سلسلہ کو جاری نہیں کیا۔ اسی لئے کسی سے بھی سلسلہ نہیں چلا ذیل میں ہم ہر ایک کے مختصر حالات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ نواب شاہ محمد معین الدین خان صاحب قادریؒ

نواب محمد معین الدین خان قادری ابن نواب محمد یٰسین خاں قلعہ داروں کے خاندان سے تھے۔ ان کے چچا زاد بھائی عمر دراز خان قلعہ گولکنڈہ کے قلعہ دار تھے۔ ان کا بھی ابتدائی زمانہ قلعہ میں گذرا، بعد میں خاندان کے بعض لوگوں سے اختلاف ہو گیا۔ قلعہ چھوڑ کر حضرت کے قرب میں قاضی پورہ میں رہ گئے تھے۔ غیر معمولی وجیہہ اور جامہ زیب آدمی تھے۔ خوش لباس، خوش خوراک و خوش مذاق واقع ہوئے تھے۔ نواب اور جاگیردار ہونے

کے باوجود انتہائی سادہ اور فقیرانہ زندگی گذارتے تھے۔ بہت نیک، متقی اور ذاکر شاغل تھے۔ حضرت سے بیعت تھی۔ حضرت قبلہ رح نے سب سے پہلے ان ہی کو خلافت دی تھی۔ تین شادیاں کیں مگر نرینہ اولاد نہ ہوئی صرف چار لڑکیاں باقی رہیں۔

۲۔ شاہ غلام حسین قادری رح

بیعت تو حضرت عثمان میاں صاحب قبلہ سے تھی۔ مگر تعلیم و تربیت حضرت ہی نے فرمائی۔ سفر حج و زیارت میں بھی ساتھ رہے۔ نواب رامپور کے پروردہ تھے۔ ابتدائی زندگی نوابوں کے ساتھ ہی گذری۔ بعد میں تمام صحبتوں کو ترک کر کے بے نفسی اور فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کی عقیدتمندی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ پیرزادہ یعنی حضرت عثمان میاں صاحب کی صاحبزادی کے پاس حصہ بھیجا جا رہا تھا۔ مگر کوئی مزدور نہیں مل رہا تھا جو خوان پہنچائے۔ تو یہ بڑھے اور حضرت سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو غلام پہنچا کر آتا ہے۔ حضرت نے فرمایا خوان ہے کس طرح لے جاؤ گے۔ تو عرض کی میری پیرزادی کا حصہ ہے اس کو میں اپنے سر پر اٹھا کر لے جاتا ہوں، اس میں میری سعادت ہے۔ یہ علاج معالجہ بھی کرتے تھے۔ سینکڑوں کو ان سے فائدہ پہنچا، حضرت ہی کے سامنے انتقال کیا۔

۳۔ شاہ غلام قادر صاحب قادریؒ

حضرت ہی سے بیعت تھے۔ بہت ہی سمجھدار اور سنجیدہ مزاج، کاسب اور ذاکر تھے۔ پیر سے ان کو ربط خاص تھا۔ جہاں بیٹھتے اپنے پیر کا تذکرہ کرتے، حضرت کے وصال کے تھوڑے روز بعد ہی انتقال فرمایا۔

۴۔ شاہ خواجہ خاں صاحب قادریؒ

صرفخاص فوج کے ملازم تھے۔ قلعہ گولکنڈہ کے دروازوں پر مامور تھے۔ ابتدائی زمانہ بہت غفلت اور رنگ رلیوں میں گذرا۔ پہلے ان کا نام بھی لال خاں تھا۔ جب حضرت سے بیعت ہوئے تو حضرت نے ان کا نام خواجہ خاں رکھا۔ اور زیادہ توجہ ان کی طرف منعطف فرمائی۔ یہ تمام سابقہ صحبتوں سے دست کش ہوئے اور زیادہ وقت عبادت وریاضت میں گذارتے حضرت کے ہر حکم کی تعمیل کو فرض اولین تصور کرتے۔ تقریباً ہر رات بیدار رہتے۔ ہمیشہ تصور شیخ میں رہتے۔ نتیجتاً صورت شکل میں بالکل مختلف ہونے کے باوجود حضرت کی بہت شباہت ان میں آگئی تھی۔ حضرت کے وصال کے بعد کئی سال بقید حیات رہے۔ قلعہ گولکنڈہ

اور شہر حیدرآباد میں کئی لوگ ان کے معتقد تھے اور ان کے علاج معالجہ سے لوگوں کو فائدہ پہنچا۔

۵۔ شاہ شیخ محمود قادری رح

پہلے فوج میں ملازم تھے۔ حضرت سے بیعت ہونے کے بعد فوجی ملازمت سے دست کش ہو گئے۔ پھر گنبدان قطب شاہی کی نگرانی پر معمور ہوئے۔ مسجد شیخ دروازہ گولکنڈہ میں امامت اور خطابت بھی کرتے تھے۔ بہت ذہین اور سمجھدار تھے۔ ہمیشہ ذکر و شغل میں مصروف رہتے۔ پیر و مرشد سے ربط خاص رکھتے تھے۔ حضرت کی بہت خدمت کی۔ حضرت کے تھوڑے عرصہ بعد ہی انتقال کیا۔

۶۔ شاہ سردار خان صاحب قادری رح

یہ بھی فوج میں ملازم تھے۔ بے حد خاموش رہتے۔ زیادہ گفتگو پسند خاطر نہ تھی۔ ہمیشہ اپنے خیال اور اپنی دھن میں رہا کرتے۔ بے حد حلیم الطبع تھے اپنے پیر کے سچے عاشق اپنے مشاغل کے بے حد سختی سے پابند تھے۔ بیعت و خلافت حضرت ہی سے تھی۔ حضرت کے سامنے ہی انتقال فرمایا۔

تمت

Talib E Dua

محمد عامر علی قادری

ابن

محمد عضمت الدین قادری صاحب